
عمران سیریز
گیسی پوائنٹ

اظہر کلیم کے شاہکار

سلور جوبلی درندہ

کیپرا شوآ ـ حصّہ اول، دوم

منکلہ کیرا کا جزیرہ

سرکاری رقاص

پیرا سدرا سٹیشن

نائٹ ایکسپریس



رات کی تاریکی قبر کے اندھیرے کی طرح بڑھ رہی تھی۔

اچانک بادل زور سے گرجے اور اس کے ساتھ ہی ایک سیاہ رنگ کی سیڈان کا انجن بھی گرج کر بیدار ہو گیا۔

ہیڈ لائیٹس روشن ہوئیں اور سامنے تارکول کی سڑک کا ذرہ ذرہ روشن ہو گیا۔

سیاہ سیڈان پوری رفتار سے سڑک پر پھسلتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔

شہر کی پُر رونق سڑکیں اس قدر ویران تھیں، کہ قبرستان کا گمان گزرتا تھا۔ سیڈان تیز رفتاری سے سڑکوں پر دوڑتی رہی۔

سیڈان کی ڈرائیونگ سیٹ پر ایک سیاہ پوش بیٹھا ہوا تھا۔

اس کی پیشانی پر فلٹ ہیٹ جھکی ہوئی تھی۔ جیسے ابھی کچھ دیر میں سیاہ پوش کی گود میں گر جائے گی۔

فلٹ ہیٹ کے جھکے ہونے کی وجہ سے ڈرائیور کے چہرے کے نقوش پر تاریکی ہی تھی، اس نے چمڑے کے گرم دستانے پہن رکھے تھے۔

دونوں ہاتھ اسٹیرنگ پر جمے ہوئے تھے۔ وہیل کی حرکت اور سیڈان

کے چلنے سے جو گاڑی میں تھرتھری سی پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی وجہ سے سیاہ پوش کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

وہ سامنے نگاہیں گاڑے کار ڈرائیو کرتا رہا۔

چاندنی چوک کے قریب پہنچ کر وہ قدرے مستعد ہو کر بیٹھ رہا۔ اب کار کی رفتار بھی معمولی تھی۔

چوک سے دائیں ہاتھ کار کو موڑ کر اس نے ایک عظیم الشان عمارت کے پاس گاڑی روک دی۔

گاڑی روکتے وقت اس نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ میڈان تاریکی میں رہے .... اس وقت سٹریٹ لائٹ بھی غائب تھی۔ اور بجلی کی بحالی کا کوئی بھروسہ نہ تھا۔

کار کے عقبی دروازے کو لاک کرنے کے بعد اس نے بائیں ہاتھ کے دروازے کا شیشہ چڑھا کر اسے بھی لاک کر دیا۔

اب وہ نیچے اتر آیا۔

نیچے اتر کر اس نے اگنیشن کی کنجی نکال لی۔ اور دروازے کو اطمینان سے لاک کر دیا۔

وہ جس بڑا اطمینان طریقے سے تمام کام سرانجام دے رہا تھا اس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ اپنی منزل مقصود پہ پہنچ چکا ہے۔ اور اس میڈان

کو رات بھر اسی جگہ کھڑے رہنا ہے۔

دروازہ لاک کرنے کے بعد وہ کار کے بونٹ کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے دائیں جیب ٹٹول کر سگریٹ کا پیکٹ برآمد کیا۔

ایک سگریٹ منتخب کر کے منہ میں دبایا۔ اور لائیٹر کے پتھر کو ضرب لگائی۔ لائیٹر روشن ہو گیا۔ اس نے سگریٹ لگائی۔

لائیٹر جتنی دیر جلتا رہا۔ اس شخص نے دائیں بائیں کا جائزہ لینا جاری رکھا۔

اس وقت چونکہ سڑک پر قطعاً روشنی نہیں تھی۔ اس لئے لائیٹر کی روشنی جو زیادہ سے زیادہ سیکنڈ تک ہوتی رہی تھی۔ دور سے یوں محسوس ہوئی جیسے کوئی جگنو لمحہ بھر کے لئے چمکا ہو اور بس۔۔

پھر اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔

اجنبی سیاہ پوش نے سگریٹ کے چند گہرے کش لگائے اور مسلسل تاریکی میں گھورتا رہا۔ سامنے کی بلڈنگ مکمل اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔

اس نے ایک نظر فو[illegible]رے کا [illegible] والے فلیٹ کو دیکھا۔

فلیٹ میں [illegible] سی روشنی ہو رہی تھی۔ اور یہ روشنی

بھی کھڑکی کے شیشوں سے دکھائی دے رہی تھی۔

روشنی کے مدھم ہونے کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ انتہائی تاریکی کے باوجود کھڑکی کا شیشہ دھندلا دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا۔

وہ اطمینان سے سگرٹ پیتا رہا۔

اب ایسا محسوس ہونے لگا تھا، جیسے وہ یہاں کسی کا منتظر ہے لیکن اگر اسے کسی کا انتظار ہوتا تو وہ سیڈان کو لاک کیوں کرتا۔؟

سگرٹ کو اطمینان سے ختم کرنے کے بعد اس نے سڑک پر پھینک دیا۔ اور عمارت کے صدر دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔

چلتے وقت اس نے سڑک پر پڑے ہوئے سگرٹ کے ٹوٹے کو مسل دیا۔

صدر دروازے پر پہنچکر وہ رکا۔

جیب سے پنسل ٹارچ نکالی اور اسے روشن کرنے کے بعد وہ اندر داخل ہوگیا۔ محدود روشنی میں اس نے زینے تلاش کئے۔

اب وہ اوپر جا رہا تھا۔

اس کے پیروں میں کریپ سول کے جوتے تھے۔

سیڑھیاں چڑھتے وقت اس نے ٹارچ بجھا دی۔ شاید اسے سیڑھیوں

کا اندازہ تھا۔ وہ خاموشی سے اوپر چڑھتا رہا۔ ایسے میں اگر کوئی بے دھیانی میں اوپر سے اترتا، تو اس سے ضرور ٹکرا جاتا۔ کیونکہ وہ تاریکی ہی کا ایک حصہ بن چکا تھا۔

پہلی منزل کی سیڑھیاں ختم کرنے کے بعد وہ رک گیا۔

اوپر گلی سنسان پڑی تھی۔

اس نے آہٹ لی اور دوبارہ چل دیا۔

اب وہ سیکنڈ فلور کی سیڑھیاں طے کر رہا تھا..... اسی طرح بے آواز سیڑھیاں طے کرتا ہوا وہ چوتھی منزل پر پہنچ گیا۔

اس نے حسب سابق وہاں پہنچ کر بھی آہٹ لی۔

ہر طرف تاریکی اور خاموشی کا راج تھا۔

اب وہ مزید احتیاط کے ساتھ راہداری میں چلنے لگا۔ بالکل بلّی کی طرح بے آواز، چلتے چلتے وہ راہداری کے بالکل کنارے پہنچ گیا۔

وہاں غالباً اسی فلیٹ کا دروازہ تھا۔ جس کا اس نے سڑک پر کھڑے ہو کر جائزہ لیا تھا۔ اس نے دروازے کے ساتھ جھک کر آہٹ لی۔

اندر میز سرکانے کی آواز آئی۔

غالباً فلیٹ کا مکین ابھی تک سویا نہیں تھا۔

سیاہ پوش نے ایک مرتبہ پھر راہداری کی طرف نگاہیں دوڑائیں۔

راہداری خاموش اور تاریک پڑی تھی۔

اس نے دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔

دروازہ اندر سے بند تھا۔

قدرے انتظار کرنے کے بعد سیاہ پوش نے بائیں جیب میں رکھا ہوا ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا اور دائیں ہاتھ کی انگشتِ شہادت سے دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔

کھٹ۔ کھٹ۔ کھٹ۔

تاریکی اور سناٹے میں ہلکی۔۔۔۔ دھیمی۔۔۔ بالکل ہلکی آوازیں گونجنے لگیں

کک۔۔۔۔ کون ہے۔۔۔؟

اندر سے جس کسی نے بھی دریافت کیا تھا۔ اس کے لہجے سے حد درجہ خوفزدہ ہونے کا پتہ چلتا تھا۔

ٹیلی گرام۔۔۔۔! سیاہ پوش کے حلق سے کمزور سی آواز نکلی۔

دروازے کے دوسری طرف کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

پھر کوئی دروازے کے پاس آ کر رکا۔

کیا تم پوسٹ مین ہو۔؟" اندر سے کسی نے دوبارہ پوچھا۔

جی ہاں۔۔۔۔ آپ کا ٹیلی گرام ہے۔۔۔۔ سیاہ پوش نے پر اخلاق لہجے میں جواب دیا۔ دروازے کے نیچے سے پھینک دو۔

بہتر ہے لیکن آپ کو دستخط بھی تو کرنے ہیں۔۔۔۔ اس مرتبہ سیاہ پوش کے لہجے میں ایسی جھلاہٹ تھی جیسے پوسٹ مین اس بحث و تمحیص سے بیزار ہوگیا ہو۔ تم ٹیلی گرام تو پھینکو۔

جی بہت اچھا۔۔۔۔؟ سیاہ پوش نے یہ کہہ کر کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک ٹیلی گرام کا لفافہ نکالا۔ اور دروازے کی نچلی درز سے اندر پھینک دیا۔۔۔۔ اندر کسی نے اس لفافے کو اٹھایا۔

چند لمحوں بعد دروازہ کھل گیا۔ شاید فلیٹ کے مکین نے تار کے مضمون کو پڑھ کر باہر کھڑے ہوئے آدمی کے بارے میں اطمینان کر لیا تھا۔

لیکن دروازہ کھلتے ہی جیسے اس کی نگاہ اس سیاہ پوش پر پڑی۔ وہ یوں بدکا، جیسے اندھیرے میں سانپ پاس سے نکل گیا ہو۔

کمرے کے اندر لیمپ کی مدھم روشنی دروازے سے نکل کر سیاہ پوش کو بالکل واضح کر رہی تھی۔

کک۔ کون ہے۔ کون ہو تم۔؟

فلیٹ والا شخص لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

سیاہ پوش نے کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ وہ قدم بڑھا کر فلیٹ میں داخل ہوگیا۔ اور اس نے اندر گھس کر ٹھوکر سے دروازہ بھی بند کر دیا۔۔۔۔ لیمپ کی دھیمی روشنی میں سیاہ پوش اور فلیٹ والا شخص ایک

دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سیاہ پوش کے جبڑے ہی دکھائی دے رہے تھے۔ اور ان کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اس وقت وہ بہت غصے میں ہے..... البتہ فلیٹ والا شخص بہت کانپ رہا تھا۔

تم مجھے بہت جلد بھول گئے ٹام.... سیاہ پوش کی آواز میں اب خاصی گھن گرج تھی۔ پہلے جیسے پر اخلاق لہجے اور اب کی آواز میں زمین آسمان کا فرق تھا....

بب.... باس.... ٹام ہکلا کر رہ گیا۔

اس کی آنکھیں اور بھی حیرت سے پھیل گئیں اور چہرہ دھلی ہوئی چادر کی طرح سفید پڑ گیا۔

لو، اب اچھی طرح پہچان لو.... سیاہ پوش نے فلٹ ہیٹ کا جھکا ہوا گوشہ بلند کر دیا۔ اور اب وہ صاف دکھائی دینے لگا۔

بب.... باس.... باس.... ٹام نے ہکلا کر کچھ کہنے کی کوشش کی۔ سب سے پہلے تو میں تمہارا اس بات کے لئے مشکور ہوں۔ کہ تم نے مجھے پہچان لیا..... اس کے بعد.... سیاہ پوش نے بائیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریوالور کو ہلایا۔ اور ٹام کی نگاہ ریوالور پر جم گئی۔

م.... مگر۔ مگر۔ باس میں بے قصور ہوں۔

وہ کیسے؟ سیاہ پوش کے لہجے میں حد درجہ اطمینان تھا۔ جیسے اسے

کسی بات کی جلدی نہیں تھی۔

مجھے بتاؤ.... ہو سکتا ہے میں تمہارے بارے میں غلطی پر ہوں۔

اس مرتبہ بھی سیاہ پوش کے لہجے میں پہلی سی سختی نہیں تھی۔

پولیس کو سارے راز ٹائیگر اور جیک نے بتائے تھے۔

اور تم خاموش رہے تھے۔ لہجہ حد درجہ طنزیہ تھا۔

جی ہاں.... جی ہاں باس میں نے تو ایک لفظ بھی نہیں بولا۔

تھا۔ کیا اس لئے کہ تمہارے بولنے کی گنجائش ہی نہیں رہ گئی تھی۔؟

جی.... جی ہاں.... نج.... جی ہاں۔

ہاہاہا۔ سیاہ پوش نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ تم سب غدار ہو۔ اور میرے نزدیک غداری کا صرف ایک انعام ہے۔

اور یہ انعام تمہارے لئے کافی ہوگا۔ سیاہ پوش نے ریوالور کو دوبارہ حرکت دی۔ اور ٹام لڑکھڑاتا ہوا صوفے پر جا گرا۔

تم لوگوں نے میرے گروہ کا قلع قمع کر دیا۔ میرے کئی بے جگر، نڈر اور قیمتی ساتھی مارے گئے۔ یا پولیس کے ہاتھ لگ گئے۔ میں پوچھتا ہوں تمہیں کسی بات کی کمی تھی۔"؟

بب.... باس۔ میں اب بھی آپ کا غلام ہوں۔

کیا یہ سچ ہے کہ سیاہ پوش کے لہجے سے پتہ چلتا تھا کہ اسے یہ سنکر

بہت خوشی ہوئی ہے۔

یس۔ باس۔ میں آج بھی آپ کا جاں نثار ہوں۔ ٹام نے اس کے لہجے میں خوشی کا عنصر محسوس کر کے جلدی سے کہا۔

ہوں۔ باس اب سوچ میں پڑ گیا۔ اس کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا ہے۔

تمہیں جیک اور ٹائیگر کا پتہ معلوم ہے؟

نن.... نہیں باس۔ وہ مجھے نہیں ملتے... بلکہ اب ہم تینوں آپس میں نہیں ملتے......!

ہوں۔ پھر تم نے اس ٹیلیگرام کو کیوں سچ کر جانا۔ اب باس کا لہجہ دوبارہ بگڑ گیا تھا.... بتاؤ...!

م.... میں کیا عرض کر سکتا ہوں باس....!

اس میں کہاں تک سچ ہے کہ تم تینوں آپس میں نہیں ملتے۔ باس کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

یہ حقیقت ہے باس۔ ٹام نے یقین دلانے والے لہجے میں کہا۔

بکواس بند کرو۔ باس نے آگے بڑھ کر ایک زوردار ہاتھ ٹام کے منہ پر مارا۔ تم کتنے غدار، تم میں اب بھی جھوٹ بولنے کی سکت ہے!

م... میں نے جھوٹ نہیں بولا باس... ٹام اب دوبارہ کانپنے لگا۔

تو پھر آج پام گروہ میں کون لوگ تھے تمہارے ساتھ۔؟"

وہ.... وہ.... باس.... ٹام کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اسے توقع بھی نہیں تھی کہ وہ جیک اور ٹائیگر کے ساتھ دیکھا جا چکا ہے۔

تم تو کہتے تھے کہ تم اب بھی میرے وفادار ہو۔ باس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

ہاں.... باس.... میں اب بھی....!

تو پھر جاں نثاری کا ثبوت دو۔ باس نے یہ کہہ کر اپنی دوسری جیب سے سائیلنسر نکال کر ریوالور کی نال پر فٹ کرنا شروع کر دیا۔

مجھے معاف کر دو باس۔ مجھے معاف کر دو۔ ٹام نے باقاعدہ ہاتھ باندھ کر معافی مانگنی شروع کر دی۔

ٹھک..... ٹھک.... دو فائر ہوئے۔

اور ٹام کے سینے میں دو گولیاں گھس گئیں۔ اس کا ایک ہاتھ فریادی انداز میں اٹھے کا اٹھا رہ گیا۔ اور وہ چیخ بھی نہ سکا۔

سائیلنسر اتار کر سیاہ پوش نے ریوالور کی نال میں پھونک مار کر اسے جیب میں رکھ لیا اور ٹام کے کمرے کی تلاشی لینے لگا۔ اس نے دروازہ اندر سے بند کر دیا تھا۔

ٹام کی لاش کو چند لمحے گھورنے کے بعد اس نے اپنا فلیٹ ہیٹ ایک صوفے پر اچھال دیا۔ اور پھر لاش اٹھا کر باتھ روم میں لے گیا۔

باتھ روم میں جاکر اس نے لاش کو باتھ ٹب میں ڈال دیا۔

غسل خانے کا دروازہ اچھی طرح بند کر کے وہ فلیٹ کے بیرونی دروازے کی طرف آیا۔

دروازہ کھولا اور باہر سے کنڈی لگا کر وہ تاریک راہداری میں چلنے لگا۔

اب اس کا رخ نیچے کی طرف تھا۔

اندھیرے میں ڈوبی ہوئی سیڑھیاں اندازے سے طے کرتا ہوا وہ اطمینان سے نیچے سڑک پر آگیا۔

سیڈان کے قریب آکر وہ کار کی ڈگی پر جھک گیا۔

ڈگی کا لاک کھولنے کے بعد اس نے ڈھکنا اٹھایا اور جھک کر ایک ڈبہ اٹھالیا۔ ڈبہ نکال کر نیچے سڑک پر رکھ دیا۔

ڈھکنا گرا کر ڈگی کو دوبارہ لاک کرنے کے بعد اس نے ڈبے کو دونوں ہاتھوں سے کندھے پر اٹھالیا۔

اب اس کا رخ دوبارہ اسی عمارت کی طرف تھا۔

سلیمان نے ناشتہ میز پر لگا دیا اور چلانے لگا۔ صاحب۔۔ صاحب۔ لیکن صاحب وہاں کہاں تھا۔۔۔۔ وہ تو نیند کی گلیوں میں نہ جانے کس کا تعاقب کر رہا تھا۔ کہ منہ سے شش، شش کی آوازیں نکل رہی تھیں۔

بیس منٹ بعد سلیمان بور ہو کر بیڈ روم میں آیا۔ اور پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

عمران مسہری پر دراز سو رہا تھا۔

سلیمان کو بڑی حیرت ہوئی۔ اور پھر بات تھی بھی ایسی ہی۔

عمران نے گھنٹہ بھر پہلے اسے کہا تھا کہ جلدی سے ناشتہ تیار کر دو، مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔

وہ تو ناشتہ تیار کرنے میں لگ گیا تھا۔ اور اس کے سامنے عمران باتھ روم میں گیا تھا اور پھر اس نے پانی گرنے کی آواز بھی سنی تھی۔ جس کا صاف مطلب تھا کہ عمران نہانے میں معروف ہو گیا ہے۔

سلیمان نے ناشتہ تیار کر کے میز پر لگا دیا اور وہیں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ بیزار ہو کر اس نے آوازیں بھی دیں اور اب وہ مجبوراً خود دیکھنے آیا تھا کہ کیا معاملہ

ہے۔ اور جو معاملہ دکھائی بھی دیا تو عجیب۔۔۔!

یعنی عمران سو رہا تھا۔

اس نے لمحہ بھر تو اسے بری طرح گھورا۔ پھر تیزی سے باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں رول کیا ہوا ایک لمبا پائپ رکھا ہوا تھا۔

سلیمان نے پائپ کا ایک سرا عمران کی مسہری پر اس کے لحاف کے اندر ڈال دیا۔ اور دوسرا ٹیپ سے منسلک کر دیا۔

پھر وہ منہ دبائے ہنسی کو روکنے کی کوشش کرتا، دوبارہ بیڈ روم تک آیا اور جھانک کر دیکھا۔

عمران بے سدھ سونے میں مصروف تھا۔

وہ لپک کر غسل خانے میں پہنچا اور ٹونٹی کھول دی۔

پانی سرسراتا ہوا پائپ میں چلنے لگا۔ اور ساتھ ہی سلیمان کی ہنسی بھی چالو ہو گئی۔

پندرہ منٹ تک وہ غسل خانے کے دروازے میں کھڑا، بیڈ روم کے دروازے پر نگاہ جمائے رہا۔ لیکن عمران کو نہ نکلنا تھا نہ نکلا۔

سلیمان کے خیال کے مطابق اب تو کمرہ بھی جل تھل ہو جانا چاہیئے تھا، پھر مسہری کس شمار و قطار میں تھی۔

وہ تو اس وقت تک گھاس پھونس کی چھپت کی طرح ٹپکنے لگی ہو گی۔

اس نے حیرت سے ایک نظر دوبارہ بیڈ روم کی طرف دیکھا لیکن عمران دکھائی

نہ دیا۔ اب تو اسے بھی تشویش ہوئی۔

وہ دبے پاؤں غسل خانے سے نکلا۔ اور بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا۔

بیڈ روم کے دروازے سے جھانک کر دیکھا تو مارے حیرت کے اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ عمران مسہری سے غائب تھا۔

پانی کا پائپ بدستور مسہری پر لحاف کے نیچے دیا ہوا تھا۔ اور پانی مسہری سے ٹپک ٹپک کر فرش پر آ رہا تھا۔

سلیمان اب بلی کی طرح بے آواز چلتا ہوا ڈائننگ روم کی کھڑکی تک پہنچا۔ تو حیرت کی زیادتی سے اس کا حلیہ ہی بگڑ گیا۔

عمران فل سوٹ پہنے نکھرا نکھرا سا بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے بال خوبصورتی سے بنے ہوئے تھے۔ سامنے ناشتے کا مکمل صفایا ہو چکا تھا۔

سلیمان حیرت سے انگلی منہ میں دبا کر لگا کاٹنے۔ اپنی دانست میں وہ محض خواب دیکھ رہا تھا۔ لیکن جب انگلی بے خیالی میں خاصی کٹ گئی۔ تو اس کے منہ سے ایک دردناک چیخ بلند ہوئی۔

عمران جو ناشتے کی میز پر گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ زور زور سے چلا اٹھا۔ بچاؤ۔ بچاؤ۔ ارے کوئی ہے۔ بچاؤ۔

اس کی آواز میں حد درجہ خوف کا عنصر تھا۔

سلیمان اپنی تکلیف تو بھول گیا۔ اور لپکا عمران کی طرف۔

عمران اس وقت بری طرح گلا پھاڑ رہا تھا۔ سلیمان کو دیکھا تو بری طرح لپٹ گیا۔ لیکن بچاؤ بچاؤ کی آوازیں کم نہ ہوئیں۔

کیا ہوا صاحب۔ کیا ہوا۔" سلیمان نے بوکھلا کر اسے الگ کرتے ہوئے دریافت کیا، اور عمران چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

ابے یہاں بھوت گھس آئے ہیں۔

بھبھ.... بھوت... بھوت کہاں سے آگئے صاحب۔ سلیمان نے ناگواری سے ناک بھوں چڑھا کر اسے کہا۔

آؤ۔ آؤ دکھاؤں.... وہ اسے لے کر بیڈ روم میں آیا۔ تو دیکھو۔ یہ میری مسہری اسے ہائیں یہ پائپ کس نے لگایا؟"

عمران اب حیرت سے منہ پھاڑے کمرے میں دیکھ رہا تھا۔

ادھر سلیمان اپنی جگہ متحیر تھا۔ کہ پندرہ منٹوں میں عمران نے سوٹ کیونکر زیب تن کر لیا۔ اور پھر ناشتے سے فارغ ہو گیا۔

اب وہ دونوں ہونقوں کی طرح ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

کہ کال بیل سنائی دی.... جاؤ دیکھو کس کا فون ہے؟"

صاحب، آپ کی سماعت کچھ کمزور ہو گئی ہے؟"

بکواست۔ جاؤ دیکھو۔ عمران غرایا۔

سلیمان بڑبڑاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اپنی قسمت کو کوس رہا تھا۔ کہ اس نے اپنی حماقت سے ہی اپنا کام بڑھا لیا۔

عمران کو تو کچھ فرق ہی نہیں پڑا۔ اب بیٹھے صاف کرتے رہو کمرے کو اور خشک کرو لبستروں کو۔

دروازہ کھول کر وہ پھرتی سے الگ ہٹ گیا۔ ورنہ فیاض جس تیزی سے اندر داخل ہوا تھا وہ اس کے نیچے آ کر پس ہی جاتا۔

فیاض یوں اندر داخل ہوا جیسے کسی سے لڑ کر آیا ہو۔

عمران اسے دیکھ کر بیڈ روم میں داخل ہو گیا۔ اور مسہری کے قریب جا کھڑا ہوا۔

عمران.... عمران۔ فیاض تیزی سے اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

اس کا سانس بری طرح پھول رہا تھا۔

گک۔ کیوں کیا بات ہے۔!

وہ.... وہ پام گروو میں ایک قتل ہو گیا ہے۔

مبارک ہو، ناشتے میں لاشیں بڑے مزے کی لگتی ہیں۔ عمران چہکا۔

یار، تم تو ہر وقت مذاق ہی کرتے رہتے ہو۔ چلو میرے ساتھ...

.... پلیز عمران۔ فیاض اس قدر بوکھلایا ہوا تھا کہ منت سماجت پر اتر آیا۔

ذرا دم تو لو، ابھی چلتے ہیں۔

جانتے ہو کس کا قتل ہوا ہے..... فیاض نے آنکھیں نکالیں....

میں تو یہ جانتا ہوں، کہ تم محفوظ ہو بس۔

"تمہیں مجھ سے اس قدر پیار کب سے ہو گیا؟" فیاض بے بسی سے ہنس دیا۔

"پیار نہیں پیارے بلکہ جب تک تم سلامت ہو یہ قتل و غارت کا سلسلہ جاری ہی رہے گا۔" عمران نے درویشانہ لہجے میں کہا۔

"بہر طور پر یہ اطلاع شاید تمہاری عقل درست کر دے کہ مقتول کا تعلق محکمہ خارجہ کی ریکارڈ برانچ سے ہے۔"

"کیا اس نے کسی خارجی معاملہ میں ٹانگ اڑادی تھی۔" عمران کا دل تو اطلاع پاتے ہی اچک کر حلق میں آگیا تھا۔ لیکن وہ عمران ہی کیا جس کے چہرے سے اس کی دلی پریشانی بھانپ لی جائے۔

"ریکارڈ برانچ کے انچارج مسٹر صدیقی۔" فیاض اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسہری پر بیٹھ گیا۔ اور دوسرے ہی لمحہ اچک کر کھڑا ہونے کی کوشش میں فرش پر پھسلتے پھسلتے بچا۔

اور پھر جب اس کی نگاہ گیلی مسہری اور فرش پر بہتے ہوئے پانی پر پڑی۔ تو حیرت سے عمران کا جائزہ لینے لگا۔

"یہ کیا حرکت ہے؟"

"اپنے خیالات کو محفوظ رکھو۔ میں آجکل ایک چلہ کھینچ رہا ہوں۔ کہیں الٹ نہ پڑ جائے۔" عمران نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ اور فیاض واقعی حیرت سے مسہری کی طرف دیکھنے لگا۔

"اتنی قیمتی مسہری اور بستر کا ستیاناس کر دیا۔۔۔۔ تم کسی اصطبل میں ہی

ہی رکھے جانے کے قابل ہو۔" فیاض بھنا کر بولا۔

"اصطبل میں ہی گھوڑوں نے وفا نہیں کی۔۔۔۔ کیوں۔۔۔؟"

"کہتے ہیں کہ ہمارے کسی رشتہ دار سے تصدیق کروا کر لاؤ۔ کہ تم بھی ہماری ہی فیملی سے تعلق رکھتے ہو۔"

"پھر رجوع کیا۔۔؟" فیاض نے ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

"بھابی کہہ رہی تھی کہ تم ہی دستخط کرو گے۔" عمران نے مایوسی سے سر جھٹک کر جواب دیا اور فیاض نے اس کی گردن ناپ لی۔

عمران نے گلو خلاصی کے لیے ہاتھ پاؤں مارے لیکن فیاض نے اسے اسوقت تک نہیں چھوڑا، جب تک کہ وہ اسے گھسیٹتا ہوا بیرونی دروازے تک نہیں لے آیا۔ اب ساتھ جائے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔

وہ دونوں فلیٹ کی سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے سڑک پر آگئے۔

نیچے سرکاری جیپ کھڑی تھی۔

عمران فیاض کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ اور جیپ تیز رفتاری سے بام گرد کی طرف بڑھ گئی۔

راستے میں ان دونوں کے درمیان کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی۔ عمران اگر ڈھنگ سے گفتگو کرنے کے موڈ میں ہوتا تو شاید فیاض خود ہی کوئی بات شروع کر دیتا لیکن عمران تو یوں ہی روٹھا بیٹھا تھا۔ جیسے فیاض نے چیونگم دلانے کا وعدہ پورا نہ کیا ہو۔

بام گرد پہنچ کر فیاض نے صدر دروازے کے سامنے جیپ روک دی۔ اسوقت تک ہوٹل کی عمارت پولیس گھیرے میں لے چکی تھی۔

فیاض جیپ سے اترا۔

اس پر نگاہ پڑتے ہی ایک انسپکٹر بوکھلایا ہوا اس کی طرف بڑھا۔

کیوں، کیا بات ہے؟ فیاض نے اکڑ کر پوچھا۔

رحمٰن صاحب پندرہ منٹ سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔

اوہ ... فیاض کی ساری اکڑ ختم ہو گئی یہ بات اسے پہلے ہی سوچنا چاہیئے تھی۔ کہ مقتول کوئی معمولی حیثیت کا آدمی نہیں۔

لیکن وہ اس بوکھلاہٹ کا کیا کرتا جو قتل کی اطلاع ملتے ہی اس پر طاری ہو گئی تھی۔ وہ بھاگم بھاگ عمران کے ہاں پہنچا۔ اور عمران جو کبھی کسی معاملے میں جلد باز واقع نہیں ہوا تھا۔ معاملے کی سنگینی کو محسوس کر کے کیوں کر اس کے ساتھ بھاگ اٹھتا۔

یہ سب تاخیر تمہاری وجہ سے ہوئی ہے۔ اس نے غرا کر عمران سے کہا۔

ہاں! آج سورج بھی کچھ دیر سے ہی نکلا تھا۔ عمران نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

ظاہر ہے فیاض اور بھی بوکھلا گیا ہوگا۔

تم کچھ دیر بعد آنا۔ اس نے ملتجانہ نگاہوں سے عمران کی طرف دیکھا۔ لیکن عمران اسوقت اس کی طرف متوجہ ہی کہاں تھا۔ وہ تو اس کار کو دیکھ رہا تھا جس سے سر سلطان اتر کر اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔

فیاض نے عمران کو اشارہ کیا اور تقریباً بھاگتا ہوا اندر چلا گیا۔
عمران سر سلطان کے انتظار میں وہیں کھڑا رہا۔

اوہ۔ تو آپ بھی موجود ہیں۔ سر سلطان نے قریب آتے ہوئے کہا۔

اس سے قبل کہ عمران جھک کر حسب عادت خود کو تلاش کرنے لگتا۔ سر سلطان نے اس کی گردن کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

مجبوراً عمران کو ان کا وہی ہاتھ تھام کر گرمجوشی سے مصافحہ کرنا پڑا۔ بڑی مدت سے آپ کو ملنے کی خواہش تھی۔

بجنیدگی سے۔ گدھے، سر سلطان نے جھینپ کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا اور عمران سنجیدگی سے سر ہلانے لگا۔

پھر وہ سر سلطان کے ساتھ ہی اندر داخل ہوا ... اندر رحمان صاحب فیاض پر بری طرح جھلا رہے تھے .... میں پوچھتا ہوں۔ تم نے اس قدر دیر کیوں کی؟

جج ... جی۔ میں فنگر پرنٹس کے عملے کو فون کرنے لگا تھا۔

بکواس مت کرو۔ تم دن بدن نااہل اور غیر ذمہ دار ہوتے جا رہے ہو۔ رحمٰن صاحب نے غرا کر اس سے کہا۔ ... اور دیکھیئے نا۔ اب پیشاب بھی سرکاری پتلون میں کرنے لگا ہے۔ عمران نے قریب پہنچکر ہانک لگائی۔

رحمٰن صاحب نے چونک کر عمران اور سر سلطان کی طرف دیکھا اور پھر ان کی نگاہ فیاض کی پتلون پر پڑی۔ تو مارے غصے کے وہ سر سے پاؤں تک کانپ اٹھے۔

فیاض کی پتلون عمران کی گیلی مسہری پر بیٹھنے سے گیلی ہو گئی تھی اور فیاض کو عمران کی بکواس اور دیگر بوکھلاہٹوں میں خیال نہیں رہا۔

یہ کیا حرکت ہے؟ رحمٰن صاحب فیاض کی طرف دیکھ کر گرجے۔

فیاض سر جھکائے یوں کھڑا ہو گیا جیسے اس نے وہ حرکت واقعی پتلون میں ہی فرمائی تھی۔

چھوڑیئے بھی ڈیڈی۔ اب کچھ اور شروع کر دیا تو مارے بدبو کے ناک دینا مشکل ہو جائے گا۔ عمران نے جلدی سے کہا۔

رحمٰن صاحب کا ہاتھ فوراً ناک پر جم گیا۔ اور سر سلطان کا ہاتھ رومال نکالنے کے لئے جیب میں رینگنے لگا۔

فیاض کے چہرے سے یوں محسوس ہو رہا تھا، جیسے ابھی رو دینا ہی چاہتا ہے۔

جاؤ۔ یونیفارم بدل کر آؤ۔ رحمان صاحب غرائے۔ اور فیاض لٹو کی طرح گھوم کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اور تم بھی یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ رحمان صاحب عمران کی طرف دیکھ کر غرائے۔ اور عمران بوکھلاہٹ میں سر سلطان کی طرف دیکھنے لگا۔

کک۔ کیوں، کیا میرا بھی ۔۔۔ ہپ۔۔۔۔!

جاؤ۔ رحمٰن صاحب غرائے۔

نن۔ نکل جائے گا۔ عمران سر سلطان کی طرف دیکھ کر منمنایا۔

سر سلطان کا مارے ہنسی کے برا حال تھا۔ انہوں نے بمشکل خود پر قابو پائے ہوئے رحمٰن صاحب کو ٹھنڈا کیا اور لاش کی طرف متوجہ ہو گئے۔

مقتول ایک ادھیڑ عمر، لیکن صحت مند آدمی تھا۔
وہ کرسی پر اس طرح مردہ پڑا تھا۔ جیسے پشت سے ٹیک لگائے آرام

سے۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ اور آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں۔

سامنے میز پر ایک پلیٹ میں دو انڈے رکھے ہوئے تھے۔ ایک ٹوٹا ہوا انڈا تھا۔ اور انڈے کا خول دو برابر حصوں میں منقسم پڑا ہوا تھا۔

عمران نے جھک کر دیکھا اور حیرت سے سر سلطان کی طرف دیکھا۔

کیا آپ کسی انڈے کو اتنی صفائی سے توڑ کر کھا سکتے ہیں؟

تم اب بولے تو جوتے مار کر باہر نکال دوں گا۔ رحمٰن صاحب اس کی آواز سنتے ہی پلٹ کر غرائے۔

سر سلطان نے بھی اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور دوبارہ میز پر جھک کر کچھ تلاش کرنے لگے۔

اس ٹیبل کو کس نے سرو کیا تھا؟ رحمٰن صاحب نے ٹھگنے قد سے مینجر سے دریافت کیا۔

جج۔ جی میں نے دریافت کیا تھا، ہیڈ ویٹر سے۔ پھر کیا رہا۔؟

دراصل ویٹر نمبر تیرہ آج طبیعت کی خرابی کے باعث چھٹی پر تھا اس لئے ہیڈ ویٹر نے ایک نیا آدمی ایک دن کے ٹرائیل پر رکھ لیا تھا۔

وہ نیا ویٹر کہاں ہے۔؟

بہت تلاش کیا لیکن اس کا کچھ پتہ نہیں چلا۔۔۔ مینجر یوں بول رہا تھا۔ جیسے ملک الموت سے جان بخشی کی استدعا کر رہا ہو۔

ہوں۔ رحمٰن صاحب چند منٹ کی مزید دیکھ بھال کے بعد وہاں سے چلے گئے۔ فیاض واپس آ چکا تھا۔ اور اب فنگر پرنٹس کے عملے کے

ساتھ کام کر رہا تھا۔

سر سلطان نے عمران کی طرف دیکھا۔ کیا کہتے ہو۔۔؟

ڈیڈی کی حکم عدولی ہوگی اگر بولا تو۔۔۔ عمران نے صدر دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

ہر وقت کا مسخرہ پن بھی کھلا جاتا ہے اور تم نے آج فیاض کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ وہ بیچارہ مارے شرم کے زمین میں گڑا جا رہا تھا۔

جی ہاں، اور میرے ساتھ تو کبھی زیادتی ہوئی ہی نہیں۔

تمہارے ساتھ کیا ہوا۔۔۔؟ سر سلطان نے حیرت سے پوچھا۔

ابھی کچھ عرصہ پہلے پھانسی کے تختے پر جاتے جاتے بچا ہوں۔ وہ گلوگیر لہجے میں بولا، تو سر سلطان نے اسے ڈانٹ کر سنجیدہ رہنے کا حکم دیا۔

آگے قتل دکھائی نہیں دیتا۔ کیا یہ زہر خورانی کا کیس ہے؟

انڈا خورانی کا۔۔۔ عمران نے درویشانہ لہجے میں جواب دیا۔ کیا کہتے ہو۔

دوسرا انڈا توڑ کر دیکھ لیجئے۔ عمران نے دعوت دی۔ اور سر سلطان کا ہاتھ بے اختیار انڈے کی طرف بڑھ گیا۔ لیکن عمران نے پھرتی سے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

کیا کرتے ہو گدھے۔؟

میں چاہتا ہوں آپ کا سایہ ہمیشہ میرے سر پہ سلامت رہے ویسے اگر سبز رنگوں کے پتے بھی ہوئے تو چھاؤں خوب گھنی رہتی۔

سر سلطان نے حیرت سے اسے دیکھا۔

کیا تمہارا دماغ چل گیا ہے؟

۔۔۔جی نہیں تو۔۔۔ عمران سر ٹٹولنے لگا۔ ویسے اس وقت تک پلیٹ میں رکھا ہوا۔ دوسرا انڈا بڑی صفائی سے اس کے کوٹ کی جیب میں منتقل ہو گیا تھا۔

سر سلطان کو اس نے اِدھر اُدھر کی چھیڑ کر غافل کر دیا۔ اب وہاں مزید ٹھہرنا وقت ضائع کرنے کے مترادف تھا۔ اس لیے سر سلطان وہاں سے چل دیئے۔ عمران بھی ان کے ساتھ ہی باہر نکلا۔ ظاہر ہے۔ وہ وہاں رک کر فیاض کے ہاتھوں مرحوم و مغفور ہونے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

فیاض البتہ اسے کنکھیوں سے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

٭٭



سیاہ پوش نے فلیٹ میں آکر دروازے کو اندر سے بولٹ کر دیا۔ اپنی سیاہ فلیٹ ہیٹ دوبارہ صوفے پر اچھال دی۔ ۔ ۔ ڈبہ وہ پہلے ہی ایک طرف رکھ چکا تھا۔

ڈبہ بہت وزنی تھا۔ لیکن اس کے چہرے سے پتہ نہیں چلتا تھا، کہ وہ کسی بھاری شے کو اٹھا کر اتنی سیڑھیاں چڑھ آیا ہے۔

اس وقت رات کے دو بجے کا عمل تھا۔

باہر ہواؤں نے تیزی اختیار کر لی تھی۔ مضبوط کھڑکیاں بھی کبھی کبھی بری طرح

بجنے لگتیں۔ سائیں سائیں تو یوں سنائی دے رہی تھی، جیسے سینکڑوں سانپ عمارت کے چاروں طرف غصے سے پھنکارتے پھرتے ہیں۔

اس نے لیمپ کی روشنی قدرے تیز کر دی۔ اب وہ اس وزنی ڈبے کو کھول رہا تھا۔

ڈبہ کھول کر اس نے ایک عجیب سی مشین نکال کر فرش پر رکھ دی۔

مشین کے حجم سے اندازہ ہوتا تھا۔ کہ وہ کسی بھی طور دو من سے کم وزن کی نہیں ہے۔ ۔ ۔ مشین کے اوپر ایک ڈیڑھ فٹ قطر کا گول برتن سا بنا ہوا تھا، نچلے حصے میں ایک گول پائپ لگا ہوا تھا۔ بالکل ایسا جیسا عموماً قیمہ بنانے والی مشینوں کے نیچے یا دائیں بائیں بنا ہوا ہوتا ہے۔

اس نے مشین کو دوبارہ اٹھا لیا۔

وزنی مشین اٹھانے سے قبل اس نے کوٹ بھی نہیں اتارا۔ اس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ کوئی معمولی طاقت کا آدمی نہیں ہے۔

عام آدمی تو ذرا سا کام کرنے سے پہلے کوٹ ہی اتارنے کو ترجیح دیتا ہے تاکہ کوٹ کام میں کسی قسم کی رکاوٹ یا دقت نہ ڈالے۔

وہ مشین کو اٹھائے ہوئے غسل خانے کے قریب پہنچا۔

ٹائلٹ کا دروازہ وہ باہر سے بند کر گیا تھا۔ اس لئے اس نے وزنی مشین کو الٹے ہاتھ میں اٹھائے ہوئے دائیں ہاتھ سے دروازہ کھولنا شروع کر دیا

اب اس کا رخ اندرونی کمرے کی طرف تھا۔

کمرے میں آکر وہ دوبارہ مشین والے ڈبے کو ٹٹولنے لگا۔ اس کے ہاتھ میں ایک وزنی تیز دھار کلہاڑا آگیا۔

وہ کلہاڑا لیے ہوئے ٹائیلٹ میں واپس آیا۔

اب وہ ٹب میں پڑی ہوئی لاش کو گھورنے لگا۔

ٹام۔ اگر تم غداری نہ کرتے تو اس وقت میرا دایاں بازو ہوتے۔ اس نے بڑبڑا کر کہا۔ اور پھر جیسے اس پر جنون سوار ہو گیا۔ اس نے وزنی تیز دھار کلہاڑے کے وار لاش پر کرنے شروع کر دیئے۔

بالکل پاگلوں کی طرح۔

اس نے چند ہی ہاتھوں میں لاش کے کئی ٹکڑے کر دیئے۔ کوئی بھی ٹکڑا ایک فٹ سے زیادہ بڑا نہ تھا۔

اس کام سے فارغ ہو کر اس نے مشین سے منسلک ایک پلگ کو غسل خانے میں لگی ہوئی ایک ساکٹ میں پرو دیا۔

عین اسی وقت بلب ایک جھماکے سے جل اٹھا۔

بجلی کی بحالی عین وقت پر ہوئی تھی۔۔۔۔ ٹائیلٹ کا کونا کونا روشن ہو گیا۔

ہاہا! اس کے حلق سے غراہٹ آمیز خوشی کا سانس خارج ہوا۔

اس وقت ٹائیلٹ مقتل دکھائی دے رہا تھا۔

چاروں طرف خون ہی خون تھا۔ گوشت کے ٹکڑے۔ لاش کے ٹکڑے

کرتے وقت جو چھوٹے چھوٹے گوشت کے پارچے اڑ کر چاروں طرف دیواروں سے چپک گئے تھے۔ اس وقت ڈراؤنا منظر پیش کر رہے تھے۔

اس نے مشین کی سائیڈ میں لگا ہوا ایک بٹن دبا کر مشین کو اٹھایا اور ٹب کے اندر رکھ دیا۔

مشین دھیمی آواز میں گھوں گھوں کرتی ہوئی چلنے لگی۔

اس نے ایک نظر ٹکڑوں کو دیکھا جو ٹب کے دوسرے کنارے بے جان پڑے ہوئے تھے۔۔۔۔ اس کی آنکھوں میں درندوں کی سی سرخی بڑھنے لگی۔

پھر اس نے ایک ٹکڑا اٹھایا۔۔۔۔۔ یہ مقتول کا ہاتھ تھا۔

اس نے ہاتھ کو مشین کے بیلن نما برتن میں ڈال دیا۔ اور پھر مشین کی گھوں گھوں میں کرچ کرچ کی آوازیں بھی شامل ہو گئیں۔

چند لمحوں بعد ہاتھ کا نام و نشان نہیں تھا۔

مشین کے نچلے پائپ نما حصے سے انسانی قیمے کا باریک مواد خارج ہو رہا تھا

اس نے ایک اور ٹکڑا مشین میں ڈال دیا۔

اس ٹکڑے کا حشر بھی پہلے سے مختلف نہ ہوا۔

وہ یکے بعد دیگرے اٹھا اٹھا کر برتن میں ڈالتا رہا۔ اور اس کی آنکھوں کی سرخی بڑھتی رہی۔

کبھی کبھی وہ کٹے ہوئے کسی عضو کو یوں مشین کے برتن کے اوپر جھلانے لگتا۔

جیسے کسی خونخوار درندے کو دور سے گوشت دکھا دیا جا رہا کہ اس کی بے تابی میں اضافہ کر رہا ہو۔

اور پھر وہ اس ٹکڑے کو بھی مشین کے منہ ڈال دیتا۔

پندرہ منٹ بعد ٹب میں انسانی جسم کا قیمہ تھا۔ اور لاش کے ٹکڑوں کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔

مشین کو بند کر کے اس نے پلگ نکال لیا۔

ربڑ کا ایک پائپ، جو مشین کے ساتھ ہی منسلک تھا۔ نکال کر پانی کی ٹیپ کے ساتھ لگا دیا۔

ٹونٹی کا پیچ گھما کر پانی کھول دیا۔

پانی پائپ میں سرسراتا ہوا مشین میں داخل ہوا۔ اور چند لمحوں بعد نچلے پائپ سے بچا کھچا قیمہ بھی باہر نکل آیا۔

وہ مشین کے پائپ پر نگاہ جمائے کھڑا رہا۔

جب پائپ سے صاف ستھرا پانی بہنے لگا تو اس نے پائپ کو ٹیپ سے الگ کر لیا۔ گویا مشین اچھی طرح سے صاف ہو چکی تھی۔

مشین کو الگ نکال کر رکھ لایا۔ ۔ ۔ پانی گرجدار آواز سے ٹب میں گرنے لگا۔

چند منٹوں میں ٹب میں گوشت کا ایک ذرہ بھی نہیں تھا۔

دیواروں کے ساتھ چپکے ہوئے گوشت کے ننھے ننھے ذرّے بھی صاف

کرنے کے بعد وہ واپس کمرے میں آگیا۔

سامنے گھڑی پر پونے تین بج رہے تھے۔

اس نے میک اپ بکس سنبھال لیا اور آئینے کے ساتھ سامنے بیٹھ کر میک اپ کرنے لگا۔ ۔ ۔ ان تمام کاموں کے دوران اس نے نہ تو کپڑے اتارے اور نہ ہی دستانے۔

میک اپ سے فارغ ہونے کے بعد جب اس نے آئینے میں اپنے سراپا کا جائزہ لیا تو خوشی سے اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

وہ اس وقت ٹام ہی دکھائی دیتا تھا۔ مُو برابر بھی فرق نہیں تھا۔

میک اپ سے فارغ ہونے کے بعد اس نے تنقیدی نگاہوں سے پورے فلیٹ کا جائزہ لیا اور مسہری پر دراز گیا۔

لائٹ آف ہو گئی۔

اور وہ یوں سو گیا، جیسے دن بھر کا تھکا ہارا مزدور نرم بستر پر لیٹتے ہی نیند کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہو جاتا ہے۔

-!-

سر سلطان جا چکے تھے۔

عمران وہاں کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ لیکن دور دور کسی ٹیکسی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا گیٹ سے باہر نکل آیا۔

سڑک پر خاصا ہجوم تھا۔

لوگوں کی بھیڑ گیٹ پر ہی رکی ہوئی تھی۔ پولیس کا ایک دستہ انہیں بار بار گیٹ سے دور دھکیلنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ لیکن لوگوں کا ہجوم امڈ پڑا تھا۔

لوگوں کے کان میں کسی اہم شخصیت کی غیر فطری موت کی بھنک پڑ چکی تھی۔ اور وہ حقیقت جاننے کے لئے کئی کئی جتن کر رہے تھے۔

عمران جب گیٹ پر پہنچا تو چند اخباری نمائندوں نے اسے گھیر لیا اور

عمران بوکھلا بوکھلا کر انہیں دیکھنے لگا۔

کس کا قتل ہوا ہے؟ ... کیا قاتل گرفتار ہو گیا؟

پولیس کا اس قتل کے بارے میں کیا خیال ہے؟

کیا اس قتل کا کوئی سیاسی یا تخریبی پس منظر ہے؟ یا محض ذاتی عداوت کی بنا پر مقتول کی جان چلی گئی۔

سوالات کی بوچھاڑ تھی۔ لیکن عمران کو تو آپ جانتے ہیں۔ وہ دیدے نچا نچا کر یوں ان کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے چڑیا گھر سے بھاگا ہوا خوفزدہ بندر

جناب کیا آپ ہماری کچھ مدد نہیں کر سکتے۔ ایک ادھیڑ عمر صحافی نے بڑی لجاجت سے کہا اور دوسرے ہی لمحے وہ کھسیا کر بغلیں جھانکنے لگا

عمران نے جلدی سے کچھ ریزگاری جیب سے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دی تھی۔

معاف کیجئے۔ اس سے زیادہ میں کچھ مدد نہیں کر سکتا۔

اخباری نمائندوں میں سے چند ایک نے فرمائشی قہقہے لگائے اور دلچسپی سے عمران کو دیکھنے لگے۔

اگر آپ اس مرڈر کیس پر کچھ روشنی ڈال دیں تو بڑی مہربانی ہو گی ایک اور صحافی نے کہا۔

معاف کیجئے گا۔ آپ شاید مجھے جگنو خیال فرما رہے ہیں۔ عمران نے برا نتے

ہوئے جواب دیا۔ . . . میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔

مطلب یہ کہ اس کرۂ ارض پر جتنے بھی جاندار ہیں۔ ان میں واحد ایک جگنو ہے جو ہر چیز پر روشنی ڈالنے کی قدرت رکھتا ہے ۔ اس کے علاوہ ہر کوئی اندھیرا تو ڈال سکتا ہے روشنی نہیں . . . اس کے بعد عمران نے ہاتھ نچا نچا کر روشنی ڈالنے پر ایسے ایسے نکتے پیش کئے کہ صحافیوں نے گھبرا کر گھیرا توڑنے میں ہی عافیت سمجھی۔

اب عمران آزاد تھا۔ اس نے پھرتی سے ادھر ادھر دیکھ کر جو دوڑ لگائی تو ہجوم سے کوسوں دور نکل گیا۔ کافی آگے جا کر وہ فٹ پاتھ پر ایک جگہ رک گیا۔

اس وقت اسے ٹیکسی کی تلاش تھی۔

جلدی ہی ایک ٹیکسی اس کے قریب آ کر رک گئی۔

عمران پھرتی سے پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔ دوسرے ہی لمحے ٹیکسی کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

ٹیکسی فل اسپیڈ پر آگے ہی آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ اچانک عمران کے ذہن میں ایک جھماکہ سا ہوا۔

اس نے ڈرائیور کو غور سے دیکھا۔

ڈرائیور اوور کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ جس کے دونوں کالر کھڑے تھے۔ سر پہ فیلٹ ہیٹ تھی۔ اس لئے چہرے کے نقوش دکھائی دینے کا سوال ہی پیدا ہی نہیں ہوتا تھا۔

عمران نے بوکھلا کر ڈرائیور کے کندھے پر ہاتھ مارا اور ساتھ ہی وہ بری طرح چونک اٹھا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے ڈرائیور کا کندھا ٹین کا بنا ہوا تھا۔ ہلکی سی آواز پیدا ہوئی

"ارے بھئی! کیا تم کوئی نجوم سے دلچسپی رکھنے والے ڈرائیور ہو؟

نہیں صاحب! ڈرائیور کا لہجہ حد درجہ مؤدب تھا۔

پھر بھلے آدمی مجھ سے پوچھ تو لیا ہوتا، کہ کہاں جانا ہے؟

معاف کیجئے گا۔ سامنے دکان سے سپیئر وہیل لینا تھا۔ میں نے سوچا پہلے وہی لے لوں۔ پھر آپ سے دریافت کروں گا۔

ڈرائیور کے لہجہ میں معذرت کا تاثر بھی شامل ہو گیا۔

ہوں۔ ٹھیک ہے۔

عمران جو اس کے کندھے پر ہاتھ مارنے کے بعد اس کی پراسرار شخصیت میں کھو گیا تھا، خاموشی سے بیٹھا رہا۔

اس کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔

سب سے پہلے جو خیال اس کے ذہن میں پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ ڈرائیور نے اوور کوٹ کے نیچے بلٹ پروف پہن رکھا ہے۔

ایک ٹیکسی ڈرائیور اگر بلٹ پروف پہن کر دھندا کرنے لگتا ہے، تو ہے وہ کسی خطرناک شخصیت کا مالک ہی ہو گا۔

اور اس کی وہ پراسرار شخصیت کیا ہے؟

یہیں آکر ذہنی گاڑی رک جاتی تھی

عمران نے سامنے آئینے میں دیکھا جہاں صرف ڈرائیور کے فلیٹ ہیٹ کا عکس پڑ رہا تھا....!

ایسے حالات میں عمران کی مخصوص عادت عود کر آئی۔

دوسرے ہی لمحے وہ اونگھ گیا۔

اور ٹیکسی اپنی رفتار سے بھاگتی رہی.... پندرہ منٹ بعد جب ٹیکسی ایک جگہ جھٹکے سے رک گئی۔ تو عمران قطعاً نہیں چونکا۔ البتہ اس نے ایک آنکھ میں ہلکی سی جھری پیدا کر کے آس پاس کا جائزہ لیا۔

اور پھر وہ نہ صرف چونک اٹھا بلکہ بوکھلاہٹ میں ہکلانے بھی لگا۔

دائیں بائیں سے تین آدمی آندھی اور طوفان کی طرح عمران کے دائیں بائیں اور ڈرائیونگ سیٹ کا الٹے ہاتھ کا دروازہ کھول کر اندر گھس آئے۔

عمران نے دیکھا وہ تینوں چھٹے ہوئے بدمعاش دکھائی دے رہے تھے

اس سے پیشتر کہ عمران کچھ سمجھ پاتا۔ اس کے دونوں پہلوؤں میں ریوالور لگ گئے۔ عمران کی ہکلاہٹ میں اضافہ ہو گیا۔

ٹیکسی نے ایک جھٹکا کھایا اور تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

بھ بھ بھائی صاحب، یہ سب کیا آپ کے سپرو ہیل ہیں؟ اس نے ڈرائیور کے کندھے پر دوبارہ ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

خاموشی سے بیٹھے رہو! اس مرتبہ دوسرے آدمی نے پہلو میں ریوالور کا دباؤ بڑھا دیا۔ اور عمران یوں منہ بھینچ کر بیٹھ رہا۔ جیسے سارے جہان سے روٹھ گیا ہو۔ اس وقت اس کی کھوپڑی ناچ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کس سلسلے میں ہو رہا ہے۔

دوسرے ہی لمحے اس کے ذہن میں ایک جھماکہ ہوا.... وہ اس وقت مسٹر صدیقی کی لاش دیکھ کر آ رہا تھا۔ اور اس کی جیب میں سوائے اس انڈے کے کچھ نہیں تھا۔ جو اس نے سر سلطان کی نظر بچا کر اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔

تو کیا یہ سب اس انڈے کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔؟

لیکن انہیں کس طرح معلوم ہوا کہ اس کے پاس کوئی ایسی چیز ہے؟ اس کے ذہن میں مسلسل کئی باتیں بیک وقت چکرا رہی تھیں۔

تو گویا مجرم خود اس سے آن ٹکرائے ہیں۔ اس کے لبوں پر ایک شریری مسکراہٹ مچل گئی۔ تم لوگوں کو یہ انڈا ہمیشہ یاد رہے گا۔ اس نے سوچا اور دوبارہ اونگھنے لگا۔

اب اس کے ذہن میں اس انڈے کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی تھی۔

ٹیکسی کی رفتار اب حد سے زیادہ تیز تر ہو گئی تھی، اس وقت ٹیکسی ایک ایسی سڑک پر جا رہی تھی۔ جس پر زیادہ ٹریفک نہیں رہتا۔ اور آگے جا کر یہ سڑک ویران علاقے سے گزرتی تھی۔

ڈرائیور اسی پراسرار طریقے سے اپنا آپ، چھپائے ڈرائیو کرتا رہا۔ عمران

اب چونکہ بالکل خاموش تھا، اور اس کے چہرے پر بناوٹی خوف کی زردی پھیل گئی تھی۔ اس لئے اس کے پہلو میں بیٹھے ہوئے دونوں آدمی قدرتاً لاپرواہ دکھائی دے رہے تھے۔ عمران نے کنکھیوں سے دونوں کو دیکھا۔

وہ دونوں ریوالور اس کے پہلو میں لگائے اطمینان سے بیٹھے تھے۔ عمران نے محسوس کیا کہ دائیں ہاتھ والا شخص کچھ زیادہ ہی لاپرواہ ہے اور پھر اسے ایک خوبصورت موقع مل ہی گیا۔

دایاں آدمی اپنی جیبیں ٹٹول کر سگریٹ کا پیکٹ نکال رہا تھا۔

اس نے دیا سلائی نکالی اور پھر ظاہر ہے۔ اس نے ریوالور کو گود میں ڈال لیا ہوگا۔ بس اسی لمحے عمران نے اپنے اوورکوٹ کی دائیں جیب سے انڈا اس خوبصورتی کے ساتھ اس کی جیب میں منتقل کیا کہ اسے خبر تک نہ ہوئی۔

اس آدمی نے سگریٹ لگا کر ریوالور دوبارہ سنبھال لیا۔ اب ٹیکسی ایسی جگہ سے گزر رہی تھی۔ جہاں سڑک کے دونوں کناروں پر جھاڑیوں کا ایک طویل سلسلہ موجود تھا۔

پراسرار ڈرائیور نے بریک لگائے، گاڑی کے پہیے مقفل ہو کر سڑک کے ساتھ رگڑ کھاتے ہوئے ایک جھٹکے کے ساتھ جام ہو گئے۔

ٹیکسی کے رکتے ہی عمران کے پہلو میں بیٹھا ہوا ایک غنڈہ دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ اس نے باہر نکل کر عمران کو اپنے ریوالور سے کور کر لیا۔

عمران اپنی جگہ اطمینان سے بیٹھا رہا۔

چلو، نیچے اترو۔

اچھا، لیکن تمہیں سترہ پائیوں سے زیادہ رقم نہ مل سکے گی۔ وہ بڑبڑاتا ہوا نیچے اترا، اس کے پیچھے ہی دوسرا آدمی بھی نیچے اتر آیا۔

اس وقت تک پراسرار ڈرائیور اور اس کا ساتھی بھی ٹیکسی سے اتر آئے تھے۔ ڈرائیور اب دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑا تھا۔

عمران نے غور سے دیکھنے کی کوشش کی لیکن وہ اس کے چہرے کو نہ دیکھ سکا۔ ڈرائیور نے آنکھوں پر سیاہ چشمہ چڑھا رکھا تھا۔ اوورکوٹ کے بڑے بڑے کالر اس کے رخساروں کو پوشیدہ رکھے ہوئے تھے۔

چہرے کو چھپانے کی رہی سہی کسر فلیٹ ہیٹ کا جھکا ہوا گوشہ پورا کر رہا تھا..... اس کی تلاشی لو۔

ڈرائیور کا لہجہ بھرایا ہوا سا تھا۔ انداز تخاطب تحکمانہ تھا۔ جس سے عمران کو یہ قیاس کرنے میں دقت نہ ہوئی۔ کہ وہی سرغنہ ہے یا پھر کوئی اہم شخصیت...!

عمران کے پہلو میں بیٹھنے والے دونوں آدمیوں نے پھرتی سے اپنے ریوالور اپنی جیبوں میں ڈال لئے۔ اس وقت تک پراسرار ڈرائیور اور اس کا ساتھی اپنے ریوالوروں سے عمران کو کور کر چکے تھے۔

دونوں غنڈوں نے عمران کی تلاشی لینا شروع کی۔

ایک ایک جیب دیکھ ڈالی گئی۔ لیکن شاید ان کے مطلب کی چیز ابھی تک نہیں ملی تھی۔ اس لئے وہ پُرسوچ انداز میں مزید تلاشی لے رہے تھے۔۔۔۔ بار بار جیبوں کو ٹٹولنے اور اچھی طرح دیکھنے کے بعد انہوں نے مایوسی سے سر ہلائے اور بولے۔ نہیں باس اس کے پاس نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں انڈا نکالو۔۔۔ پراسرار ڈرائیور گرج کر بولا۔

یہاں۔۔۔ یہاں سب کے سامنے۔۔۔ عمران بوکھلا گیا۔

کیا بکتے ہو۔۔۔؟ ڈرائیور بگڑ کر آگے بڑھا۔

م۔۔۔ میرا مطلب ہے آپ کو غلط فہمی ہوئی۔ میں انڈے نہیں دیتا۔

عمران یہ کہتے کہتے ان چاروں کو اس طرح دیکھنے لگا، جیسے وہ سوچ رہا ہو کہ ان لوگوں کے بارے میں کیا رائے قائم کرے جو اسے انڈا دینے کے لئے اس ویرانے میں پکڑ لائے ہیں۔

تم شرافت سے انڈا دیتے ہو یا نہیں؟ پراسرار ڈرائیور کا ہاتھ عمران کے گال پر پڑا۔ اور عمران کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے لوہے کا پنجہ اس کے منہ پر جڑ دیا ہو۔

ہاتھ اتنا طاقتور تھا، کہ عمران کا سر گھوم گیا۔ اور وہ الٹ کر پیچھے کی طرف گرا، لیکن غنڈوں نے اس کے جھولتے ہوئے بازو کو پکڑ لیا۔

اس سے قبل کہ عمران سنبھلتا۔ اس کے پیٹ میں ایک اور گھونسہ پڑا۔ عمران کا منہ قے کرنے کے انداز میں کھلا اور "اوغ" کی آواز اس کے حلق سے نکل گئی۔۔۔۔ اسے یقین ہوگیا، کہ یہ شخص سر سے پاؤں تک فولاد کا بنا ہوا ہے۔

عمران نے اپنی زندگی میں ایسا مضبوط ہاتھ نہیں دیکھا تھا۔ جس کے ایک گھونسے نے اس کے معدے کو ڈسٹرب کر دیا ہو۔

م۔ مجھے پیٹ کا کوئی عارضہ نہیں۔ اپنے قبض کشا گھونسے سے عذر رکھو عمران نے گھگھیا کر پراسرار حملہ آور سے کہا۔

جلدی انڈا نکالو۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں۔

اگر چاہو تو میں اس ویرانے میں مرغ کی طرح اذان دے سکتا ہوں۔

لیکن انڈا نہیں۔۔۔۔ آخر میں۔۔۔۔!

ابھی بتاتا ہوں۔ وہ غرا کر دوبارہ اس کی طرف بڑھا۔

یار تم اندھے ہو کیا۔۔۔ کیا میں کوئی مرغی ہوں؟

جلدی نکالو۔۔۔ گھونسہ دوبارہ اس کی طرف بڑھا۔

اتنا ہی شوق ہے تو خود کیوں نہیں دے لیتے۔ عمران جھلا گیا۔

شٹ اپ۔۔۔۔ اس مرتبہ ڈرائیور کی آواز میں بلا کی درندگی تھی۔

میرا خیال ہے باس، ہم وقت ضائع کر رہے ہیں۔ ایک غنڈہ بولا۔

ہوں ۔۔۔ لیکن ہماری اطلاع بھی غلط نہیں ہو سکتی۔ اس مرتبہ ڈرائیور کی آواز سوتج میں ڈوبی ہوئی تھی۔

تم کون ہو اور پولیس کے ساتھ تمہارا کیا تعلق ہے۔ ؟

تعلق ہوگا خود تمہارا ۔۔۔۔ عمران برا مانتے ہوئے بولا۔ اگر آئندہ تم نے میرا تعلق پولیس کے ساتھ قائم کیا تو یاد رکھنا۔

کیوں ۔۔۔ ؟

گالی دیتے ہو اور پوچھتے ہو کیوں ؟ عمران جھلا گیا۔

چلو گاڑی میں بیٹھو۔ ڈرائیور نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے حکم دیا۔ شاید وہ عمران کو بیکار خیال کر چکا تھا۔

اور میں ۔۔۔ عمران جلدی سے بول اٹھا۔

تم ۔۔۔ تم یہیں آرام کرو ۔۔۔ یہ کہکر ڈرائیور دونوں ہاتھ بڑھائے اس کی طرف بڑھا۔

عمران خوفزدہ انداز میں پیچھے ہٹنے لگا۔ ڈرائیور اس کی طرف بڑھتا رہا اور وہ کھسکتا ہوا ٹیکسی کی ڈگی کے ساتھ لگ گیا۔ اور پھر ڈرائیور اس کے سر پر پہنچ گیا۔

اچانک اس کا ہاتھ اٹھا اور وہ ٹھٹھک کر رہ گیا، عمران خوفزدگی کا مظاہرہ کرتا ہوا جھولا اور پھر اس کے گھٹنے تہہ ہوتے چلے گئے۔ اگر ڈرائیور سامنے

موجود نہ ہوتا تو شاید عمران منہ کے بل سڑک پر گر گیا ہوتا۔ اسے اٹھا کر گاڑی میں ڈالو۔ ڈرائیور نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔ انہوں نے عمران کو ٹیکسی میں ڈال لیا۔ اور ٹیکسی ایک مرتبہ پھر واپس شہر کی طرف روانہ ہو گئی۔

وہ بے ہوش بنا پڑا رہا۔

تم سب اپنی اپنی قیام گاہوں پر رہو گے۔ مجھے کسی بھی وقت تمہاری ضرورت محسوس ہو سکتی ہے۔ ڈرائیور نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

سب نے سر ہلا دیئے۔

اور ٹونی ۔۔۔ تم آج کم سے کم پیئو گے۔ ڈرائیور کی آواز دوبارہ سنائی دی اور عمران نے اپنی آنکھ میں ہلکی سی جھری پیدا کر کے دیکھا۔

وہی غنڈہ سر ہلا رہا تھا۔ جس کی جیب میں عمران نے انڈا ڈالا تھا۔ اور وہاں تم آج سے مورلین سٹریٹ کے فلیٹ نمبر چودہ میں شفٹ ہو جاؤ، وہاں فون موجود ہے۔

بہتر ہے باس ۔۔۔ عمران نے ٹونی کی آواز سنی اور دل ہی دل میں مسکرا دیا ۔۔۔۔ اسے کہاں لے جائیں گے باس! ایک نے پوچھا۔

شہر کے قریب کہیں دروازہ کھول کر پھینک دینا۔

اوہ ۔۔ اور عمران کی جان میں جان آگئی۔ وہ دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔ کہ اس کی سکیم کامیاب ہی رہی۔ ظاہر ہے کہ وہ اتنی دور پیدل

چل نہیں سکتا تھا۔

بے ہوش بننے سے اسے یہ بھی فائدہ ہوا تھا۔ کہ مطلوبہ آدمی کا پتہ معلوم ہوگیا تھا۔ اس نے آنکھ کی جھری سے اس بات کا جائزہ لیا کہ کوئی اس کی طرف متوجہ تو نہیں۔ ..... پھر وہ خود ہی ساکت پڑا رہا۔

ظاہر ہے وہ ذرا سی بھی حرکت کرکے کوئی نئی مصیبت مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ ٹیکسی چلتی رہی۔ اور پھر شہر کے قریب ہی کہیں دروازہ کھول کر اسے نیچے لڑھکا دیا گیا۔

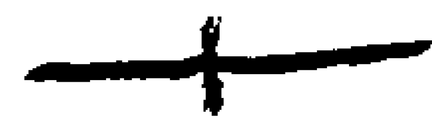
عمران گرتے وقت محتاط تھا۔

اس نے گرتے وقت ہتھیلیاں سڑک پر پہلے لگالی تھیں۔ تاکہ کم سے کم چوٹ آئے۔ اور پھر اسے پھرتی سے کروٹ بھی بدلنی پڑی۔ ورنہ اس کی ٹانگیں پچھلے پہیے کے نیچے ضرور آجاتیں۔

ٹیکسی دور جا چکی تھی۔

سڑک ویران تھی ..... جب ٹیکسی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی، تو کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

اب وہ لنگڑاتا ہوا اسی طرف چل پڑا۔ جدھر ٹیکسی گئی تھی۔



ٹررن ..... ٹررن ..... ٹررن۔

ٹیلیفون کی گھنٹی بڑی دیر سے گنگنا رہی تھی۔ ٹام مسہری پر لیٹا لیٹا شاید نگھ گیا تھا۔

فون کی گھنٹی چیختی رہی اور پھر وہ ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔

یہ وہی پراسرار شخص تھا، جو اس وقت ٹام کے میک اپ میں اس کے ٹ پر قبضہ جمائے ہوئے تھا۔

وہ چند لمحے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے فون کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر وہ دھیرے دھیرے چلتا فون کے پاس پہنچا اور ریسیور اٹھالیا۔

ہیلو۔ ٹام اسپیکنگ۔ اس نے اس وقت ٹام کے لہجے کی کامیاب نقل کی تھی۔ ہم تمہارا انتظار کرتے کرتے مرنے کی حد تک بیزار ہوچکے ہیں۔ دوسری طرف سے جیک کی تلخ آواز سنائی دی۔

اس پراسرار آدمی کی آنکھیں چمک اٹھیں، البتہ اس کے ہونٹ بدستور بھنچے رہے۔۔۔۔ میں بیمار ہوں، جیک۔ بہت طبیعت خراب ہے۔

اوہ۔۔۔۔ یہ اچانک طبیعت کیسے خراب ہوگئی۔

نہ جانے کیا بات ہے؛ شاید سردی لگ گئی ہے۔

ہوں! تم وہیں رکو میں آرہا ہوں۔ جیک کی متفکر آواز سنائی دی اور دوسری طرف سے سلسلۂ گفتگو منقطع ہوگیا۔

ٹام نے ریوالور رکھ دیا۔ اور اب اس کی آنکھوں کی چمک مزید بڑھ تھی۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ جذبات کے تاثرات سے قطعی عاری۔

اس نے اس وقت بھی سیاہ دستانے پہن رکھے تھے۔ شاید اسے ہر وقت دستانے پہنے رکھنے کی عادت تھی۔

سامنے میز پر سگریٹ کا ٹن رکھا ہوا تھا۔ اس نے ڈھکنا کھول کر ایک سگریٹ منتخب کیا اور اسے ہونٹوں میں لگاکر سلگانے لگا۔

سگریٹ کے چند گہرے کش لگانے کے بعد وہ کمرے میں ٹہلنے لگا۔

پندرہ منٹ بعد دروازے پر دستک ہوئی۔

اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دیا اور دروازے کی طرف بڑھا، دروازے کے پاس پہنچ کر وہ رک گیا۔

نہ جانے کیوں۔ اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی، کہ ابھی دروازہ نہ کھولنا۔

وہ خاموشی سے کھڑا رہا اور پھر اس کی آنکھوں میں خوشی کی چمک پیدا ہوگئی۔

دروازے پر اب وقفے وقفے کے بعد تین مرتبہ دستک ہوئی تھی۔

گویا ان لوگوں نے یہ ایک خفیہ اشارہ بنا رکھا تھا۔

اس نے ہاتھ بڑھاکر دروازے کی چٹخنی گرادی۔ پٹ کھولے تو باہر جیک کھڑا تھا۔ وہ اس وقت تنہا ہی تھا۔

آؤ جیک۔ اس نے گرے گرے سے لہجے میں اسے اندر آنے کی دعوت دی اور خود لڑکھڑاتا ہوا مسہری کی طرف بڑھ گیا۔

جیک نے دروازہ بند کرکے کنڈی لگادی۔

اس وقت تک ٹام مسہری پر دراز ہوکر لحاف اوپر لے لیا تھا۔

کہو اب کیسی طبیعت ہے۔ جیک اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

ابھی ابھی ڈاکٹر ہوکر گیا ہے۔ انجیکشن دیا ہے۔

اوہ! فون کیا تھا کیا؟

ہاں...... ٹام نے کمزور آواز میں کہا۔

ٹائیگر تمہارے بارے میں بہت پریشان ہے۔ نہ جانے ہم لوگوں کا کیا ہوگا۔

ہونا کیا ہے۔ ٹام نے اپنا لہجہ برقرار رکھا۔

میرا خیال ہے، ہمیں ٹائیگر کا کہنا مان لینا چاہیئے۔

کیا...... ؟ اس ملک کو چھوڑ دیں۔

لیکن پورٹرک کہاں ہے۔ یہ تو کوئی بھی اندازہ نہیں لگا سکتا۔

ہاں یار...... وہ تو ملک الموت کی طرح ہر جگہ موجود ہے۔

میں تو اس [illegible] کی آنکھ مچولی سے تنگ آگیا ہوں۔

اگر سامنے آئے تو اسے گولی ہی مار دیں۔ ایک گناہ اور سہی۔

تم جانتے ہو اس پر گولی اثر نہیں کرتی۔ ٹام نے گہرا سانس لیکر جواب دیا۔

میری تو سمجھ میں ہی نہیں آتا کیا کروں۔ جیک کا چہرہ پسینے سے شرابور تھا۔

تم نے اس بارے میں پولیس کو اطلاع دے کر اچھا نہیں کیا جیک۔

اس کا گروہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا ہے۔ وہ پاگل ہو رہا تھا۔

ہونہہ... پاگل ہو رہا ہوگا۔ کاش وہ بھی پولیس کے ہاتھ لگ جاتا۔

نہیں وہ کبھی سامنے نہیں آتا۔ تم تو جانتے ہی ہو۔

پھر ایک اور بات کریں۔

کیا...... ؟ ٹام نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

ہم بھی دوسرے ممبروں کی طرح اخبار میں اشتہار دے دیں اور پھر اس کے نئے گروہ میں شامل ہو جائیں۔

یہ تم کیا کہہ رہے ہو جیک؟ ٹام کے لہجے میں حد درجہ حیرت تھی۔

اس طرح شاید ہم مل کر اس پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہو جائیں۔

نہیں، یہ ناممکن ہے۔

یہ بات سمجھ لو ٹام۔ جب تک وہ زندہ ہے ہماری زندگیاں محفوظ نہیں ہیں

یہ بات تو ہے۔

اگر طبیعت کچھ سنبھلی ہو تو چلیں، ٹائیگر انتظار کر رہا ہوگا۔

اچھا۔ ٹام یہ کہہ کر لحاف سے نکل آیا۔ تم اسے اطلاع دو کہ ہم آ رہے ہیں۔

میں ذرا منہ پر گرم پانی کے چھینٹے ماروں۔

ٹام مسہری سے اٹھ کر ٹائیلٹ کی طرف بڑھ گیا۔

جیک نے فون پر ہوٹل پام گروو کا نمبر ڈائیل کیا۔ اور ریسیور ہاتھ میں پکڑے سلسلہ ملنے کا انتظار کرنے لگا۔

چند لمحوں بعد ہوٹل کی استقبالیہ کلرک کی نسوانی آواز سنائی دی۔

جیک نے اسے ٹائیگر کے بارے میں بتاتے ہوئے اسے فون پر بلا دینے کی گزارش کی، جواباً اسی نسوانی آواز نے انتظار کرنے کی استدعا کی۔

جیک ہاتھ میں ریسیور تھامے منتظر رہا۔

اندر ٹائلٹ میں پانی گرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

تین منٹ بعد دوسری طرف ٹائیگر کی متفکر آواز سنائی دی۔

کیا بات ہے جیک۔ ٹام اب کیسا ہے۔

ٹھیک ہے۔ ابھی ہم لوگ آرہے ہیں۔ تم وہیں انتظار کرو۔

اچھا۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔ اور جیک نے ریسیور رکھ دیا۔ اسے اپنے عقب میں آہٹ ہوئی۔

وہ واپس پلٹا۔ اور پھر دوسرے ہی لمحے چونک کر کرسی سے اٹھ گیا۔

ٹام اس کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں سائیلنسر لگا ریوالور تھا۔ جس کی اکلوتی آنکھ بغیر جھپکے جیک کو گھور رہی تھی۔

یہ کیا حرکت ہے؟ جیک بوکھلا گیا۔

یہ تمہارا انعام ہے جیک، اس مرتبہ ٹام کی آواز بدلی ہوئی تھی، اور جیک اس آواز کو سنکر کئی قدم پیچھے ہٹتا چلا گیا۔

ب... باس۔ جیک کا گلا خشک ہو گیا۔

ہاں... میں ہی ہوں۔ گبی پورٹر کے ساتھی۔ اگر اس سے غداری کر کے بھی محفوظ رہیں تو اسے خودکشی کر لینی پڑے۔

مگر... باس۔ جیک کی آنکھیں خوف و حیرت سے پیلی پڑ رہی تھیں۔

تم شاید کوئی جواز پیش کرنا چاہتے ہو۔ اس مرتبہ پورٹر کی آواز میں گہرا طنز تھا۔

اس کی ساکت پتلیاں جیک کی آنکھوں میں چبھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ اور جیک یوں کھڑا تھا۔ جیسے پتھر کا ہو گیا ہو۔

میں بہت خوفزدہ ہو رہا ہوں باس۔

ظاہر ہے موت کو دیکھ کر کوئی خوش نہیں ہوا کرتا۔

کیا میں تم سے پوچھ سکتا ہوں کہ تم نے غداری کیوں کی تھی؟

م...... میں...... میں...

جیک کوئی جواب نہیں دے سکا۔

بیکار ہے جیک۔ تمہارا جرم تمہارے چہرے پر لکھا ہوا ہے۔ اور میرے ہاتھ میں تمہاری موت۔ تیار ہو جاؤ۔

جیک دونوں ہاتھ باندھ کر اس کے سامنے جھک گیا۔

یہ موت معافی ہی کی نعم البدل ہے جیک ورنہ تم جانتے ہو میں اگر چاہوں تو تمہیں اس طرح زندہ رہنے پر کر سکتا ہوں۔ کہ تم موت کو ترجیح دو گے میں تم پر یہ رحم اس لئے کر رہا ہوں کہ تم نے کبھی میرے لئے کارنامے بھی سرانجام دئے ہیں۔

باس مجھے ایک اور موقع دے دو۔

تاکہ تم اس مرتبہ رہی سہی کسر بھی پوری کر دو۔ پورٹر نے خونخوار قہقہہ لگایا اور ریوالور کو جنبش دیتا ہوا آگے بڑھتا آیا۔

میں تمہیں ضرور موقع دیتا۔ لیکن اب میرے پاس وقت نہیں۔ کاش میں تمہاری یہ حسرت بھی پوری کر سکتا۔

جیک گھٹنوں کے بل کھڑا رہا۔ اور ہانپتا کانپتا جان بخشی کی درخواست کرتا رہا اور پھر شاید وہ بالکل ہی مایوس ہو گیا تھا۔

ظاہر ہے مایوسی میں انسان جان کی بازی لگانے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ یہی ردعمل مایوسی نے جیک پر بھی کیا۔

اس نے ریوالور کی پرواہ کئے بغیر پورٹر پر چھلانگ لگا دی۔

حملہ چونکہ اچانک تھا، اس لئے جیک اس کے ریوالور کو ہاتھ سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ اس کی بدنصیبی تھی کہ وہ ریوالور کو قبضے میں نہ کر سکا۔

ریوالور پورٹر کے ہاتھ سے نکل کر ایک طرف گر گیا۔

ہا۔ ہا۔ ہا۔ تم اس قدر دلیر بھی ہو سکتے ہو۔ آخر پورٹر کے ساتھی ہو مجھے خوشی ہوئی جیک۔ اگر تم مجھ پر قابو پا سکے تو میرا وعدہ ہے تمہاری جان بخشی کر دوں گا۔ پورٹر کے لہجے سے پتہ چلتا تھا کہ وہ واقعی سچ بول رہا ہے۔

لیکن جیک اس وقت کہاں سن رہا تھا۔

اس نے دروازے کی طرف چھلانگ لگائی۔ عین اسی وقت پورٹر نے اپنی آہنی ٹانگ آگے کر دی۔

جیک کے گھٹنے اس کی ٹانگ کے ساتھ ٹکرائے اور وہ اپنے منہ کے

تحفظ کے لئے ہتھیلیوں کے بل فرش پر گر پڑا۔

تم یہاں سے بھاگ نہیں سکتے جیک۔ اس لئے اپنے موقف پر ڈٹے جاؤ۔ آؤ میں نے ان ہاتھوں سے بہت دن ہوئے کسی کی گردن نہیں توڑی۔

پورٹر کے لہجے میں درندگی تھی۔ جیک سر سے پاؤں تک کانپ اٹھا۔

اسی وقت پورٹر نے ایک گھونسہ اس کے منہ پر مارا۔ گھونسہ نہ جانے کس قدر طاقتور تھا، کہ جیک کے سامنے کے چار دانت ٹوٹ گئے۔ اور اس کے منہ سے خون کا فوارہ نکل کر اس کی باچھوں سے بہنے لگا۔

ساتھ ہی جیک گھسٹتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا۔

اس کی کھوپڑی میں سینکڑوں سورج طلوع ہو گئے اور پھر وہ اندھوں کی طرح ٹٹول کر اٹھا۔

اب وہ نسبتاً کم خوفزدہ اور زیادہ خونخوار دکھائی دے رہا تھا۔

وہ ہاتھ پھیلائے پورٹر کی طرف بڑھا۔ جو پلکیں جھپکائے بغیر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں کسی اندرونی جذبے کے تحت سرخ ہو رہی تھیں۔

جیک نے پھرتی سے آگے بڑھ کر ایک گھونسہ پورٹر کے پیٹ میں مارا اور پھر چیخ کر اپنا ہاتھ پکڑ لیا۔

اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے اس نے کسی چٹان کو پوری قوت سے گھونسہ مارا ہو۔ سیدھے ہاتھ کی ایک انگلی کی ہڈی چٹخ گئی۔ اور وہ کراہتا ہوا دیوار سے جا لگا۔

پورٹر بدستور اسی جگہ کھڑا رہا۔ جیک کے گھونسے سے وہ ایک انچ بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹا تھا۔

جیک نے ایک اور کوشش کی۔ وہ آگے بڑھا اور پھر پورٹر سے لپٹ گیا

بس یہیں وہ مار کھا گیا۔ پورٹر نے اپنے دونوں ہاتھ اس کی کمر میں ڈال دیئے اور پھر ایک جھٹکا دیا۔ جیک کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی آہنی آدمی سے لپٹ پڑا ہو۔ اس نے اپنی کمر کے گرد سے پورٹر کے بازوؤں کا حصار ختم کرنے کے لئے انتہائی کوشش کی، لیکن وہ ہانپ کر رہ گیا۔ ہاتھوں کی گرفت سے آزاد ہونا تو دور کی بات تھی۔ وہ خود کو اور بھی پھنسا بیٹھا۔

اس نے دونوں ٹانگیں پورٹر کی ٹانگوں میں پھنسا کر اسے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس کی یہ غلط فہمی بھی دور ہو گئی۔ پورٹر کا وزن اس قدر زیادہ تھا کہ دس آدمی بھی اسے نہیں ہلا سکتے تھے۔

اب جیک کو اپنی پسلیوں کی فکر ہوئی۔

اس نے ایک جھٹکا دیا۔ اور خود ہی چیخ اٹھا۔ اس جھٹکے سے پورٹر کے بازوؤں کی گرفت اور بڑھ گئی تھی۔ اور اس کی ایک پسلی ٹوٹ گئی۔

اس نے جھلاہٹ اور تکلیف میں بے بس ہو کر جھلاہٹ میں اپنا سر اچھالا اور ایک زوردار ٹکر پورٹر کے ناک پر جمائی۔

اس مرتبہ پورٹر کی چیخ سنائی دی۔

پورٹر کے بازوؤں کا حصار ختم ہو گیا۔ جیک فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اور پھر جیسے ہی اس کی نگاہ پورٹر پر پڑی، وہ خوف سے چیخ اٹھا۔

پورٹر کی ناک پچک گئی تھی۔ اس نے غصے میں اپنی ناک کو سہلا دیا اور دوسرے ہی لمحے جیک کو یہ معلوم ہو گیا۔ کہ وہ پلاسٹک کی ناک تھی۔

اس نے اٹھنے کے لئے اپنے دونوں ہاتھوں کو فرش پر رکھا۔ زور لگایا اور اتنا اوپر اٹھ گیا۔ کہ اب پاؤں پر کھڑا ہو سکتا تھا۔

اسی لمحے پورٹر کے دونوں ہاتھ اس کی گردن پر جم گئے۔

اور پھر کمرے میں غرغراہٹ سی گونجی۔ پھر۔ غرغراہٹ، اور اس کے بعد پورٹر کی جوش میں ڈوبی ہوئی ہنہناہٹ۔

اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ جیک کی گردن اس کے شانوں کے درمیان سے ادھیڑ کر اکھاڑ لی۔

خون کا ایک فوارہ جیک کی ادھڑی ہوئی گردن سے ابل پڑا۔ پورٹر اس کی گردن لئے ٹائیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

بقیہ بے سر کا دھڑ وہیں پڑا تڑپتا رہا۔

سر کوٹ میں رکھی ہوئی مشین کے پاٹ میں پھینک دیا۔ اور واپس کمرے میں آ گیا۔ جیک کا دھڑ اس وقت تک تڑپتا ہوا پورے کمرے میں گھوم چکا تھا۔ اور اب ایک کنارے پڑا ہوا تھا۔

اس وقت بھی اس میں لرزش تھی۔ ـــ

پورٹر قریب کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ اس کا ایک ہاتھ بے اختیار اپنی بچی ہوئی ناک پر گیا۔ اور پھر ایک سنگدلانہ ٹھوکر جیک کے دھڑ پر پڑی۔

کمرے کے فرش پر جا بجا خون سے نقش ونگار بنے ہوئے تھے، خو نقش اس وقت کمرہ سلاٹر ہاؤس کا منظر پیش کر رہا تھا۔

پورٹر نے بے دھڑ کی لاشیں اٹھا کر غسل خانے میں پہنچا دی اور چند لمحوں بعد ٹائیلٹ سے کلہاڑے کی پے درپے ضربوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

پندرہ منٹ بعد اسی خونی مشین کے چلنے کی گھوں گھوں سنائی دی۔ جو جیک سے پہلے ٹام کے جسم کے پرزے اڑا چکی تھی۔

اور پھر...... بالکل خاموشی چھا گئی۔ البتہ پانی گرنے کی آواز کبھی کبھی سنائی دیتی رہی۔

٭



رات اپنے سیاہ بازو پھیلائے سارے شہر پر مسلط تھی۔

عمران نے اپنی فیاٹ مورلین اسٹریٹ سے کافی فاصلے پر سڑک

کے کنارے ایک درخت کے نیچے کھڑی کر دی اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا سامنے دیکھتا رہا۔

سامنے مورلین اسٹریٹ کی عظیم الشان عمارت تنہا کھڑی اپنی بلندی پر نازاں دکھائی دے رہی تھی۔ عمران اپنی سیٹ پر بیٹھا چودھویں فلیٹ کے بارے میں قیاس آرائی کر رہا تھا۔

فرسٹ فلور پر دس فلیٹ تھے۔ اس نے عمران نے سوچا کہ مطلوبہ فلیٹ دوسری منزل پر ہی ہوگا۔ عمارت کے صدر دروازے کا آہنی پھاٹک بند تھا۔

البتہ آمد و رفت کے لئے ایک چھوٹا سا جنگلے دار دروازہ کھلا تھا۔

دوسری منزل کی صرف ایک کھڑکی روشن تھی۔

چند منٹ بعد وہ فیاٹ سے نیچے اترا، ساتھ ہی اس کے چہرے پر حماقتوں کے ڈونگرے برسنے لگے۔ وہ اس وقت اپنی روایتی یونیفارم میں ٹیکنی کلر ہو رہا تھا۔

ادھر ادھر دیکھنے کے بعد وہ عمارت کے چھوٹے جنگلے دار دروازے سے گزر کر سیڑھیوں تک پہنچ گیا۔ سیڑھیوں میں ایک کم پاور کا بلب روشن تھا۔

مٹیالا سا اجالا سیڑھیوں میں پھیلا ہوا تھا۔

وہ خاموشی سے سیڑھیاں طے کرتا ہوا اوپر آگیا۔

دوسری منزل کی راہداری تاریک پڑی تھی۔ وہ راہداری میں چلتا ہوا ایک

دروازے تک آ پہنچا۔ اور پھر اندھیرے میں لاسش کوشش کے باوجود بھی فلیٹ کا نمبر نہ دیکھ سکا۔ ایسے میں پنسل ٹارچ روشن کئے بغیر کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ اس نے ٹارچ روشن کی اور فلیٹ کا نمبر دیکھا۔

پھر اسے چودھواں فلیٹ ڈھونڈنے میں قطعاً دشواری نہ ہوئی۔

یہ وہی فلیٹ تھا جس کی کھڑکی اس نے روشن دیکھی تھی۔ گویا چھے باس کے حکم کی پرواہ کئے بغیر موصوف پینے میں مصروف تھا۔

عمران نے سوچا اور دروازے "کی ہول" سے آنکھ لگادی۔

اندر وہی غنڈہ بیٹھا دکھائی دیا۔ جس کا نام عمران نے پراسرار ڈرائیور کے منہ سے ٹونی سنا تھا۔ وہ اس وقت نیم دراز سیگرٹ کے کش لگا رہا تھا۔ سامنے اسکاچ کی بوتل کھلی رکھی تھی۔

عمران نے دروازے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالا۔ دروازہ بند تھا۔

عمران نے سیدھے کھڑے ہوکر اپنی جیب ٹٹولی اور پھر سخت تار کا ایک ٹکڑا نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ ایسے وقتوں کے لئے یہ ٹکڑا اس کی جیب میں موجود ہی رہتا تھا۔ عمران نے تار کا ٹکڑا کی ہول میں ڈال دیا۔

کلک ۔ ۔ ۔ ۔ ایک ہلکی سی آواز آئی۔

عمران نے ایک آنکھ دوبارہ "کی ہول" سے لگادی اور اندر دیکھا۔

ٹونی بدستور پہلے کی طرح نیم دراز سگرٹ کا دھواں اُگل رہا تھا۔ عمران

نے اسی طرح جھکے جھکے ہنڈل گھمایا۔ اور پھر پھرتی سے دروازے کے پٹ دھکیلتا ہوا اندر گھس گیا۔

دروازہ کھلنے کی آواز اور پھر عمران کو دیکھ کر ٹونی اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ پھر اس نے قابلِ داد پھرتی سے ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔

اوہ یہ تم ہو۔ اس نے عمران کو پہچانتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ ۔ ۔ ۔ اس کے چہرے پر حیرت زدگی کے آثار نمایاں تھے۔

انڈا دینے نہیں آیا۔ عمران نے بُرا سا منہ بنا لیا۔

تو پھر۔ ؟ اب تم انڈا دوگے۔ مجھ میں یہ کمال ہے کہ میں جسے مجبور کردوں اسے انڈا دینا ہی پڑتا ہے۔ عمران اس کے ریوالور کو نظر انداز کرکے دروازہ بند کرکے آگے بڑھ گیا۔

نہیں۔ تم اسی جگہ رکو گے۔ ٹونی غرایا۔

آہستہ ۔ ۔ ۔ کڑک مرغیوں کی طرح شور مت مچاؤ۔

تم بڑے خطرناک آدمی دکھائی دیتے ہو۔ ہاتھ اٹھا کر ادھر دیوار سے لگ جاؤ۔ ٹونی کے تیور بدل گئے۔ شاید وہ عمران کی لاپرواہی سے ہی کھٹک گیا ہو۔

بیٹے! ریوالور تو جیب میں ہی ڈالو۔ عمران نے گویا اسے تنبیہ کی۔

آہم۔ ٹونی غرایا اور پھر اس کا ہاتھ دوسری جیب میں رینگ گیا۔ اس مرتبہ ہاتھ باہر آیا تو عمران نے دیکھا۔

اس نے سائیلنسر نکالا تھا۔

ٹونی نے سائیلنسر ریوالور کی نال پر فٹ کر لیا۔ اور عمران کو گھورنے لگا، اب اس کی آنکھوں میں خطرناک چمک پیدا ہو گئی تھی۔

اگر جیب میں کوئی ہتھیار ہے تو نکال کر فرش پر پھینک دو۔

میں کوئی تمہاری طرح کرائے کا آدمی نہیں ہوں۔ عمران نے برا سا منہ بنایا اور ساتھ ہی اس نے وہ جگہ چھوڑ دی۔

ٹونی نے اس پر فائر جھونک ہی مارا تھا۔

ٹھک۔ ریوالور سے ایک شعلہ نکلا۔ اور جہاں عمران پہلے کھڑا تھا وہاں دیوار میں گولی لگی اور پلاسٹر ادھڑ گیا۔

ٹونی نے حیرت سے ریوالور اور پھر عمران کی طرف دیکھا جس نے سنگ آرٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود کو بچا لیا تھا۔

اور پھر کمرہ ٹھک۔ ٹھک کی آوازوں سے گونج اٹھا۔ ٹونی نے پے در پے تین فائر عمران پر کئے۔ لیکن عمران گولی پہنچنے سے پہلے ہی اپنی جگہ چھوڑ تا رہا۔ نتیجے کے طور پر کمرے میں پڑے ہوئے ایک خوبصورت ڈریسنگ ٹیبل کا آئینہ چکنا چور ہو گیا۔

کلک۔ ٹونی نے آخری مرتبہ لبلبی دکھائی لیکن فائر نہیں ہوا۔ شاید ریوالور میں چار ہی گولیاں تھیں۔

ٹونی نے دو تین بار ٹریگر دبایا۔ نتیجہ صفر ہی رہا۔

اطمینان سے ریوالور دوبارہ لوڈ کر لو۔ میں قطعاً برا نہیں مانوں گا۔ عمران نے مضحکہ خیز سنجیدگی سے کہا۔ ویسے ایک بات کا خیال رکھنا کہ کوئی بھی مؤنث چیز مجھ پر اثر نہیں کرتی۔ کیا سمجھے ہو؟

میرا مطلب ہے اگر مجھ پر اثر ہی کرنا ہوتا تو میں اب تک کئی درجن والدین کا بچہ ہوتا۔ معاف کرنا الٹا بول گیا۔

ادھر ٹونی اس کی طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے اب تک اسے سمجھنے سے قاصر رہا ہو۔ تم کون ہو؟

علی عمران ایم ایس سی، ڈی۔ ایس سی آکسن۔ عمران جھک کر آداب بجا لایا۔ . . . یہاں کیوں آئے ہو؟

تم سے انڈا وصول کرنے۔ یہ کہہ کر عمران نے کمرے میں ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں۔ اسے اس سوٹ کی تلاش تھی۔ جو ٹونی نے پہلے پہن رکھا تھا۔

میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔ ٹونی کے لہجے میں گہرا استعجاب تھا۔

ارے تم اس ویرانے میں مجھے انڈا دینے پر مجبور کر سکتے ہو تو کیا میں تمہیں یہاں مجبور نہیں کر سکتا۔ چلو بیٹھو انڈا دینے۔

اسی لمحے ٹونی نے اس پر چھلانگ لگا دی۔

ارے باپ رے۔ عمران نے خوفزدہ انداز میں دوسری طرف چھلانگ

لگا دی۔ اگر ٹونی نے ہاتھ آگے بڑھا کر سامنے دیوار سے نہ لگائے ہوتے تو اس کا سر ضرور دیوار سے ٹکرا جاتا۔ اب اس پر جھلاہٹ سوار ہو گئی۔

وہ ہاتھ پھیلائے عمران کی طرف بڑھا۔ اور عمران اس گوشے کی طرف جہاں ہینگر میں وہ کوٹ لٹک رہا تھا۔ جس کی جیب میں عمران نے انڈا ڈالا تھا۔

اسی لمحے ٹونی چھلانگ لگا کر اس کے سر پر پہنچ گیا۔ عمران نے پلٹ کر اس کا اٹھا ہوا ہاتھ سنبھالا اور پھر لیفٹ ہک ٹونی کے پیٹ پر آزمایا۔

اس سے پہلے کہ ٹونی الٹ کر گرتا۔ عمران نے اس کا بایاں جبڑا تاک لیا۔ گھونسہ زوردار تھا۔ ٹونی کئی قدم پیچھے ہٹتا چلا گیا۔

عمران نے اسی پر بس نہیں کی وہ زقند لگا کر دوبارہ ٹونی کے قریب جا پہنچا۔ ٹونی نے سنبھلنے کی کوشش کی، لیکن عمران اس پر چھا گیا۔ پے در پے کئی گھونسے اس کے منہ پر اور پیٹ پر پڑے اور وہ فرش پر لمبا لیٹ گیا۔

عمران اسے اٹھانے کے لئے جھکا اور پھر ٹونی کی اٹھتی ہوئی ٹانگ نے اسے فرش سے اکھاڑ دیا۔ وہ ٹونی کے جسم کے اوپر سے ہوتا ہوا ایک طرف جا گرا۔

ٹونی پھرتی سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھا۔ لیکن عمران نے لیٹے لیٹے اس کی چھاتی میں ایک ٹھوکر دے ماری۔ وہ ڈکراتا ہوا واپس پلٹا۔

اتنی دیر میں عمران سنبھل چکا تھا۔

وہ اٹھ کر دوبارہ ٹونی کی طرف بڑھا۔ ٹونی نے اپنا دایاں ہاتھ اٹھایا اور پھر جھکائی دے کر بایاں ہاتھ آزمایا۔

عمران نے اس کا بایاں ہاتھ اپنے بازو پر روکا اور پھر وہ اس کا بازو موڑتا چلا گیا۔ بازو مروڑ کر اس نے ٹونی کی پیٹھ سے لگا دیا۔

اب کھڑی ہتھیلی کا ایک وار ٹونی کی پیٹھ میں عین ریڑھ کی ہڈی پر پڑا۔ اور ساتھ ہی عمران نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

ٹونی زخمی بھینسے کی طرح ڈکرایا۔ اور سامنے پڑی ہوئی میز کی طرف گرا اور پھر میز کا کنارا اس کی آنکھ سے ٹکرایا۔ اس کا سر چکرا گیا۔

ٹونی نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر سنبھالنے کی کوشش کی۔ لیکن عمران کی ایک زوردار ٹھوکر اس کی کھوپڑی کے عقبی حصے پر پڑی۔

اس کا سر دوبارہ میز سے ٹکرایا۔ اور وہ درد کی شدت سے بے تاب ہو کر چیخ اٹھا۔ اسی لمحے ایک اور ٹھوکر اس کی دائیں پسلیوں میں پڑی۔ درد کی ایک گھٹی گھٹی سی چیخ ٹونی کے منہ سے نکلی اور وہ حوصلہ ہار گیا۔

عمران تیزی سے اس کوٹ کی طرف لپکا۔ اس کا ہاتھ تیزی سے کوٹ کی سائیڈ پاکٹ میں رینگ گیا۔ اور دوسرے ہی لمحے وہ خوشی سے جھوم اٹھا۔ اس کا ہاتھ باہر آیا۔ تو اس میں انڈا موجود تھا۔

ٹونی اس وقت تک سنبھل کر دوبارہ کھڑا ہو چکا تھا۔ وہ عمران کو

کھور رہا تھا۔ لیکن اب اس میں پہلے جیسا دم خم نہیں تھا۔
چہرے پر شکست خوردہ ہونے کے آثار تھے۔
کیوں بیٹے، یہ دیکھو انڈا۔ دلوا دیا نہ تم سے۔
یہ... یہ کہاں تھا؟ ٹونی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔
ارے بائیں۔ اب اپنے انڈے کو بھی پہچاننے سے انکار کرو گے۔ عمران نے حیرت سے ٹونی کی طرف دیکھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر حماقتوں کے ڈونگرے برس رہے تھے۔ اسے میرے حوالے کردو۔ ٹونی کے چہرے پر دوبارہ سختی کے آثار پیدا ہوگئے۔ لاؤ ادھر۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔
ایک شرط پر۔ عمران مسکرایا۔
کیسی شرط......؟
اس انڈے میں کیا ہے اور مسٹر صدیقی کو کس نے اور کیوں قتل کیا؟
میں اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتا۔
ہوں.... اچھا خود ہی پتہ چل جائیگا۔ عمران نے لاپرواہی سے انڈے کو جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔
اسے توڑ کر خود ہی دیکھ لو۔ ٹونی نے جواب دیا۔
تم چاہو تو تمہاری کھوپڑی پر توڑ دوں۔ اب تم کیا مجھے اتنا ہی احمق سمجھتے

ہو۔ عمران نے برا سا منہ بناتے ہوئے اسے ڈانٹا۔
اب تم سوالات کا ایک پرچہ حل کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔
کیسے سوالات....؟
سوال نمبر ایک، تم کون ہو، اور تمہارا پراسرار باس کون ہے؟
میں تمہارا پابند تو نہیں۔ ٹونی غرایا۔
تو آؤ۔ پہلے تمہیں پابند کرلوں۔ عمران نے آگے بڑھ کر ایک گھونسہ ٹونی کی ناک پر رسید کیا۔
بس۔ بس کرو۔ خدا کے لئے، ٹونی نے فوراً ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا اور عمران خاموشی سے اسے گھورنے لگا۔
تمہیں برانڈی کی ضرورت ہے۔ اس نے نرم لہجے میں کہا۔
ہاں۔ ٹونی یہ کہہ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے گلاس شراب سے بھرا اور ایک ہی سانس میں پی گیا۔ پھر اس نے دوسرا گلاس بھرا اور سامنے رکھتے ہوئے پیکٹ سے سگرٹ نکال کر سلگالیا۔ عمران اس دوران بڑے صبر سے بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔
ہوں۔ تو تم اپنے باس کے بارے میں بتانے جا رہے تھے۔
میں نے آج تک اس کی صورت نہیں دیکھی۔
اچھا! عمران نے حیرت سے کہا۔ پردے کا خاص خیال رکھتا ہے کیا؟

مت مانو۔ لیکن یہ حقیقت ہے۔

ہوں۔ کب سے کام کر رہے ہو اس کے لیے؟

مجھے ابھی ہفتہ بھر ہی ہوا ہے۔

کام کی نوعیت۔!

چھوٹے موٹے کیس۔ جیسے تمہارے ساتھ ہو گزرا ہے۔

ہوں۔ عمران نے پُرسوچ لہجے میں ہنکارا بھرا۔ اس کا پتہ بتاؤ؟

گگ۔ گر۔۔ گگ۔ اچانک سیدھے ہاتھ کی کھڑکی کا شیشہ چٹاخ سے ٹوٹا۔ اور پھر ٹونی کی پیشانی سے خون کا فوارہ اُبل پڑا۔

کسی نے بے آواز ریوالور سے فائر کیا تھا۔

عمران نے پھرتی سے خود کو فرش پر گرا لیا اور رینگتا ہوا اسی کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ کھڑکی کا پٹ نیچے جھک جھکے کھولا۔ اور پھر قدرے اٹھ کر اس نے کارنس کا جائزہ لیا۔

کارنس کے کونے پر اسے ایک سایہ سا دکھائی دیا اور پھر عمران کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

وہ جو کوئی بھی تھا، اچانک اچھلا اور یوں نیچے کود گیا۔ جیسے نیچے ٹھوس فرش کی بجائے پانی ہو۔ عمران نے دیکھا۔ وہ فرش پر پاؤں کے بل گرا تھا۔ اور گرنے سے کسی قسم کی آواز پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اور نہ ہی کوئی کودنے

والے کی کوئی چیخ۔

اور پھر عمران نے اسی سائے کو گیٹ سے باہر نکلتے دیکھا۔ اس کی چال میں حد درجہ اطمینان تھا۔ جیسے اس عمارت کا کوئی مکین باہر ٹہلنے جا رہا ہو۔

⁂



پام گروو میں اس وقت ہال گاہکوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اعلیٰ طبقے کے لوگ یوں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے جیسے سوائے باتوں کے انہیں اور کوئی کام نہ رہا ہو۔ کبھی کبھی ماحول میں نسوانی قہقہے نقرئی گھنٹیوں کی طرح گنگنا اٹھتے اور پھر وہی باتوں کی بھنبھناہٹ شروع ہو جاتی۔

اس وقت ایک آدمی اندر داخل ہوا۔

اس نے گہرے نیلے رنگ کا قیمتی اوورکوٹ پہن رکھا تھا۔ جس کے بڑے بڑے کالر کھڑے ہونے کی وجہ سے اس شخص کے دونوں گال چھپے ہوئے تھے۔

سر پر سیاہ رنگ کی فلیٹ ہیٹ تھی، جس کا سامنے والا گوشہ چشمے کی کمانی تک جھکا ہوا تھا۔ اس طرح لاکھ کوشش کرنے پر بھی اس کی صورت نہیں دیکھی جا سکتی تھی۔

اس نے ہال کا ایک نظر جائزہ لیا۔

بار سٹینڈ کے پاس ایک نوجوان لڑکی کھڑی تھی۔ خط و خال سے وہ یورپین معلوم ہوتی تھی۔ مگر رنگ میں سانولا پن شامل تھا جیسے وہ کافی عرصہ سے اسی ملک میں رہ رہی ہو۔

لڑکی پر سے ہوتی ہوئی اس کی نظریں ایک میز پر رک گئیں۔

اس میز پر ایک دیسی کرسچئن بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے آگے دو گلاس پڑے تھے۔ ایک گلاس بھرا ہوا تھا۔

ٹائیگر .... وہ پراسرار شخص بڑبڑایا۔

جی کیا پیش کروں؟ بار سٹینڈ ڈ نے مؤدب لہجے میں دریافت کیا۔

وہسکی .... بڑا پیگ .... اس کی سرسراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ اور بار ٹنیڈر جلدی سے اس کا آرڈر تیار کرنے لگ پڑا۔

وہ وہیں ٹیک لگا کر کھڑا رہا۔

اب وہ ایسے انداز سے کھڑا تھا کہ کاؤنٹر کے عقب میں لگے ہوئے آئینے میں تنہا بیٹھا ہوا ٹائیگر اسے صاف دکھائی دے رہا تھا۔

ہلکے ہلکے گھونٹ لیتے ہوئے اس نے آئینے میں ٹائیگر پر مسلسل نگاہ رکھی ٹائیگر کے انداز سے حد درجہ پریشانی اور الجھن مترشح تھی۔ وہ بار بار گلاس اٹھا کر منہ سے لگا لیتا۔ اور پھر سگرٹ کے کش لگانے لگتا۔

بار بار پہلو بدلنے کی وجہ سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ بڑی بے چینی سے

کسی کا انتظار کر رہا ہو۔

پھر اس نے گھڑی پر وقت دیکھا اور ساتھ ہی اس کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات میں اضافہ ہو گیا۔

اگلے ہی لمحے ٹائیگر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ فوراً ہی اس پراسرار شخص نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ لیکن جب اس کی نگاہ ٹائیگر کی میز پر پڑی تو اس نے دوبارہ گلاس کو منہ سے لگا لیا۔

ٹائیگر توقع کے مطابق کاؤنٹر کی طرف ہی آ رہا تھا۔

اس وقت اس کی پشت ٹائیگر کی طرف تھی۔ اس لئے وہ بےفکری سے کھڑا خراب کی چسکیاں لیتا رہا۔

ٹائیگر نے کاؤنٹر کے کنارے آکر فون طلب کیا۔

بار ٹینڈر نے فون اس کی طرف سرکا دیا۔ ٹائیگر نے جلدی جلدی کسی کے نمبر ڈائل کئے۔ اور پھر فوراً ہی اس نے کریڈل دبا دیا۔

اب وہ دوبارہ نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

کئی بار سلسلہ منقطع کر کے اس نے نمبر ڈائل کئے۔ لیکن گفتگو کسی سے بھی نہیں ہو سکی۔ وہ ریسیور کریڈل پر رکھ کر وہیں کھڑا رہا۔

پراسرار شخص نے دیکھا اس کی پیشانی پسینے میں بھیگی ہوئی تھی۔

اسی لمحے ٹائیگر کی نگاہ اس پر پڑی۔ اور وہ چونک پڑا۔ اس نے جلدی سے

منہ پھیر کر گلاس منہ سے لگا لیا۔

ٹائیگر ایک لمحے تک اُسے گھورتا رہا۔ پھر وہ تیز تیز چلتا ہوا اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ "آپ کے پاس لائٹر ہے؟"

"یس۔ وائی ناٹ۔" اس نے جلدی سے جیب سے لائٹر نکال کر ٹائیگر کا سگریٹ سلگا دیا۔ ٹائیگر اس دوران میں اس کا گہرا مشاہدہ کرتا رہا۔

سگریٹ سلگانے تک شاید وہ اس کا اچھی طرح سے جائزہ لیکر مطمئن ہو گیا تھا۔ اس نے شکریہ ادا کیا۔ اور اپنی میز کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے آئینے میں اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ "ایک پیگ اور" اس نے بارٹینڈر کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا گلاس دوبارہ بھر دیا گیا۔

اس مرتبہ اس نے گلاس ختم کرنے میں بڑی عجلت سے کام لیا۔ آئینے میں ٹائیگر ویٹر کو بل لانے کا اشارہ کیا۔

گلاس میز پر رکھ کر اس نے ایک بڑا نوٹ گلاس کے نیچے دبا دیا۔ "کیپ دی چینج" کہتا ہوا وہ صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

باہر نکل کر وہ ایک ستون کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔

یہاں سے پارکنگ صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اسے ٹائیگر کی گاڑی پہچاننے میں دقت نہ ہوئی۔ دوسرے ہی لمحے وہ تاریکی میں رینگ گیا۔

پارکنگ میں کار کا دروازہ آہستگی سے کھلا اور پھر بند ہو گیا۔

تنہائی اور خاموشی کے بارے میں عمران ہمیشہ سے ہی ایک خیال کا حامی تھا۔ اس کا قول تھا کہ یہ دونوں مردوں کا حق ہے اور زندہ لوگوں کو چاہیئے کہ وہ مردوں کے حقوق کے تحفظ کا خاص خیال رکھیں۔

محبوبہ پالنا تو اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔ اس لئے وہ اکثر سگِ لیلیٰ پر ہی اکتفا کرنے کا موڈ بناتا، لیکن اب تک، وہ اس سلسلے میں بھی کچھ نہ کر سکا تھا۔ ظاہر ہے اگر اس نے ایک آدھ کتا ہی پال لیا ہوتا، تو وقت گزارنے کے لئے اس سے بحث و تمحیص شروع رکھتا۔

ایک مرتبہ وہ ایک کتا کہیں سے پکڑ لایا تھا۔

اس نے کتے کو درسِ اخلاق دینا شروع کیا۔ لیکن جلد ہی کتے کو یہ محسوس ہو گیا۔ کہ وہ عمران کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور پھر ایک دن وہ چپکے سے ٹلک گیا تھا۔

کتا جس کی وفاداری ضرب المثل بن چکی ہے۔ عمران سے بے وفائی کر کے جا چکا تھا۔ ادھر عمران نے پہلے تو رو رو کر فلیٹ سر پر اٹھا لیا۔ پھر سیکرٹ سروس کے تمام ممبروں سے اس بے وفائی کا تذکرہ اس پر دردانداز

مد درجہ طنز بھی پیدا ہو گیا تھا۔
ٹائیگر خاموش رہا۔
اس کے چہرے پر خوف کی سفیدی چھا رہی تھی۔ اور آنکھوں میں بے چینی اور
ف رقص کر رہا تھا۔
خاموش کیوں ہو؟ پورٹر نے ہنس کر کہا۔ اب اس کی ہنسی میں گرج بھی
پیدا ہو گئی تھی۔
ب۔ باس۔ مجھے امید نہ تھی کہ آپ اتنی جلدی واپس آجائیں گے؟ ٹائیگر
نے ہکلا کر کہا۔
تو تم یہ چاہتے تھے کہ میں کبھی واپس نہ آؤں۔
ن۔ نہیں۔ کبھی نہیں باس۔
پھر! اس مرتبہ پورٹر سانپ کی طرح پھنکارا۔
ٹائیگر نے آئینے میں دیکھا۔ پورٹر نے فلیٹ ہیٹ کا گوشہ اوپر کر لیا تھا
اور اب اس کی خوفناک آنکھیں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔
آئینے میں دونوں کی نگاہیں ایک دوسرے سے ملیں اور ٹائیگر کو یوں
محسوس ہوا جیسے پورٹر کی آنکھوں میں بجلی کی سی کوند رہی ہو۔ اور جیسے وہ دم
بدم اس کی آنکھوں سے مسحور ہو رہا ہو۔
اس نے جلدی سے اپنی نظریں آئینے میں سے ہٹالیں اور پھرتی سے

اسٹیرنگ کو دائیں طرف گھمادیا۔ ورنہ گاڑی سامنے چوراہے کے کھمبے سے
ٹکرا گئی ہوتی۔
ٹائیگر کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔
اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کار کو کس طرف لے جائے۔ وہ پام گروو
تو یہ سوچ کر نکلا تھا کہ ٹونی کے فلیٹ جائیگا۔
جیک کا ٹیلیفون سننے کے بعد وہ ان لوگوں کا انتظار کرتے کرتے
ہو گیا تھا۔ اور پھر مختلف اندیشوں نے بھی اسے گھیر رکھا تھا۔
پھر اس نے پورٹر کو بار کے کاؤنٹر پر دیکھا تو اور بھی ٹھٹھک گیا۔ اگر
وہ اسے پہچان نہ پایا تھا۔ تاہم اس کی پراسرار شخصیت اس کے اعصاب پر
سوار ضرور ہو گئی تھی۔ اس نے ایک بار پھر آئینے میں دیکھا۔
پورٹر کی سانپ کی سی گول آنکھیں اس کے عکس پر جمی ہوئی تھیں۔
ٹائیگر.... کیا سوچ رہے ہو؟
میں سوچ رہا ہوں باس، کہ میں کس منہ سے آپ سے معافی مانگوں۔
کیا تم سمجھ رہے ہو۔ کہ تمہارا جرم قابل معافی ہے؟
ب۔ باس۔ ٹائیگر کا حلق خشک ہو گیا۔
تم لوگوں نے سمجھا تھا، کہ گروہ کا شیرازہ بکھر جانے کے بعد میں ایک بے
کیچوا بن کر رہ جاؤں گا۔ اور تمہیں سزا تک نہ دے سکوں گا۔

مونہہ۔ ٹائیگر خاموش رہا۔

پولیس کو گروہ کے تمام راز بتا کر تم لوگوں نے میرے ہاتھ پاؤں ضرور کاٹ دیئے تھے۔ لیکن شاید تم لوگ میرے اختیارات سے ناواقف تھے۔

ٹائیگر کا جسم کپکپا اٹھا۔ پورٹر کے لہجے میں اتنی ہی درندگی تھی، قہر و غضب کی ٹھنڈک۔

مگر۔ مگر باس، اس میں ہمارا قصور نہیں تھا۔

پھر کس کا تھا۔؟

پولیس ہمارے پیچھے تھی۔ کیپٹن فیاض نے ہمارے ایک ایک ساتھی کو گرفتار کر لیا تھا۔ ایسے میں ہم کیا کرتے؟

صرف تم تینوں ہی گرفتاری سے کیسے بچ نکلے؟

ٹائیگر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

جواب دو۔

میں اس گندگی سے بیزار ہو چکا تھا باس۔!

وہاٹ! پورٹر کی آواز میں حد درجہ درندگی اور جھلاہٹ تھی۔ یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ ابھی ٹائیگر کے جسم کا ریشہ ریشہ ادھیڑ دے گا۔

جی ہاں باس! اب میں کوئی ناجائز کام کرنا نہیں چاہتا۔ اس مرتبہ ٹائیگر کے لہجے میں ہلکی سی بھی لرزش نہیں تھی۔

تو تم کیا سمجھتے ہو۔ میں تمہیں دوبارہ اکسانے آیا ہوں۔ پورٹر کا لہجہ زہریلا تھا۔

ٹائیگر خاموش رہا۔

میں تو تمہیں تمہارے دونوں وفادار ساتھیوں کے پاس پہنچانے آیا ہوں۔ پورٹر نے جیب سے ڈائنامیٹ نکال کر اپنے قدموں میں پھینک دیا۔

ٹائیگر تو اس کی بات سنتے ہی اس قدر حواس باختہ ہو گیا تھا کہ اس کے جسم کا ایک ایک رونگٹا کانپنے لگا۔ وہ اس ڈائنامیٹ کو قطعاً نہ دیکھ سکا جو پورٹر کے اوور کوٹ کی جیب سے اس کے قدموں میں پہنچ گیا تھا۔

تت، تو۔ آپ نے جیک اور ٹونی کو قتل کر دیا ہے۔

ابھی کچھ دیر بعد تم ان سے خود ملاقات کر لو گے۔

نہیں نہیں تم ایسا نہیں کر سکتے۔ ٹائیگر ہذیانی لہجے میں چیخا۔ اور پھر اس کے پاؤں کا بوجھ ایکسیلیٹر پر بڑھتا ہی چلا گیا۔

نادانستگی میں وہ اس وقت ساحل کی طرف جانے والی ایک ایسی سڑک پر نکل آیا تھا۔ جس کے دونوں طرف سینکڑوں فٹ گہری کھائیاں موجود تھیں۔

بس دوست یہیں روک دو۔ پورٹر نے اپنا بے آواز ریوالور نکال کر اس کی گدی سے لگا دیا۔

نہیں باس۔ ہم دونوں اب ساتھ ہی مریں گے۔

شاید کسی خاص غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہو۔ اس مرتبہ پورٹر کی آواز میں

مزاح کا عنصر بھی پیدا ہو گیا تھا۔

نہیں باس۔ میں اب گاڑی کو ان سینکڑوں فٹ گہری کھائیوں میں دھکانے جا رہا ہوں۔ اور تم بھی میرے ساتھ ہی رہو گے۔

ٹائیگر کے لہجے سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اپنے حواس کھو بیٹھا ہے

پورٹر نے پھرتی سے ڈائنامیٹ اٹھایا اور دوسرے ہی لمحے کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔

کچھ دیر قبل جو ہلکی سی خوف اور تشویش کی لہر اس کی آنکھوں میں لہرائی تھی۔ وہ جانے کہاں غائب ہو گئی۔

اب میں تمہارا ساتھ دینے میں خوشی محسوس کروں گا۔ پورٹر نے بے انتہا پر اطمینان لہجے میں کہا۔ اور ٹائیگر کے پاؤں کا دباؤ کچھ اور بڑھ گیا۔

گاڑی اس وقت اسی میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑی جا رہی تھی۔ ٹائیگر کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔ شاید وہ آنے والی خوفناک موت کے تصور سے ادھ موا ہو رہا تھا۔

اور پھر ایک موڑ پر کار اس کے قابو سے خود ہی باہر ہو گئی۔

پورٹر نے دیکھا، کار تیزی سے لوہے کے اس معمولی جنگلے کی طرف بڑھ رہی ہے۔ جس سے ٹکرانے کے بعد ان کا قیام ان کھائیوں کے علاوہ کہیں نہیں ہوگا۔ جو سینکڑوں فٹ نیچے اپنے بھیانک منہ پھاڑے موجود تھیں۔

کار تیزی سے جنگلے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

ٹائیگر اس قدر حواس باختہ ہو رہا تھا کہ وہ کار کا اسٹیئرنگ موڑنے کی بجائے الٹا اسی طرف گھماتا رہا۔ جدھر سوائے موت کے اور کچھ نہ تھا۔

اور پھر اسے اس وقت احساس ہوا جب گاڑی کے اگلے وہیل سڑک سے اتر چکے تھے۔ ٹائیگر نے یکدم پورے بریک لگا دیئے۔

پہیے مقفل ہو کر بجے اور پھر ٹائروں کی رگڑ سے ایسی بھیانک چیخیں فضا میں بلند ہوئیں۔ کہ پوری وادی کانپ اٹھی۔

پھر ایک دھماکہ ہوا۔۔۔۔ خوفناک دھماکہ۔

اور اس کے بعد کار کا بونٹ لوہے کے جنگلے سے ٹکرایا اور اسے توڑتی ہوئی کار نے زمین چھوڑ دی۔

گاڑی چونکہ انتہائی تیز رفتار تھی۔ اس لئے سڑک سے اچھل کر کار یوں نیچے کی طرف گرتی چلی گئی۔ جیسے کسی چیتے نے زقند لگائی ہو۔

پورٹر نے اپنے دونوں ہاتھ اگلی سیٹ پر جما دیئے۔ اور دونوں ہاتھوں پر اپنے جسم کا سارا بوجھ سنبھالنے کی کوشش کر رہا۔ کار نیچے گر رہی تھی۔

اتفاق سے کار اس وقت گری بھی تو ایسی جگہ سے جہاں سب سے گہری کھڈ تھی۔ ٹائیگر پر جیسے دیوانگی سوار ہو گئی تھی۔

وہ اب بھی اسٹیئرنگ کو ادھر ادھر موڑنے کی کوشش میں مصروف تھا۔

اور پھر ایک لمحہ بعد اس کے حلق سے دل خراش چیخوں کا سلسلہ شروع

ہوگیا۔ اس سلسلے کی آخری اور انتہائی طویل چیخ اس دھماکہ میں گم ہوگئی جو کار کے
ایک پتھریلی چٹان سے ٹکرانے دفنت ہوا تھا۔

کار ایک مرتبہ اچھلی، اور اسی لمحے پورٹر نے اپنے تمام تر حواس یکجا
کرتے ہوئے دروازے کے ہینڈل کو گھمایا۔

کار لٹو کی طرح گھوم کر دوبارہ گر رہی تھی۔ اس مرتبہ بھی کار کا اگلا حصہ نیچے
کی طرف تھے۔

بس اسی لمحہ رپورٹر نے باہر چھلانگ لگادی۔

وہ تیزی سے ایک کھڈ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے اپنے جسم کو اس
طرح کنٹرول میں رکھا کہ وہ ٹانگوں کے بل گر گیا۔

اسی وقت ایک کان پھاڑ دھماکہ ہوا اور کار کا انجن پھٹ گیا۔ پھر ایک
شعلہ سا لپکا اور کار دھڑا دھڑ جلنے لگی۔

پورٹر یوں گر کر سنبھل گیا۔ جیسے اس نے چند فٹ کی بلندی سے چھلانگ
لگائی ہو۔۔۔۔۔ اب وہ تیز رفتاری سے کار کی طرف بڑھ رہا تھا۔

[redacted]

اسے دیکھ کر کوئی بھی یہ یقین نہیں کر سکتا تھا۔ کہ ابھی کچھ دیر قبل وہ ایک ایسی کار
میں سوار تھا، جو سینکڑوں فٹ بلند سڑک سے گر رہی تھی۔

شاید وہ اپنی اس حیرت انگیز خصوصیت ہی کی وجہ سے بڑے اطمینان کے
ساتھ ٹائیگر کی کار میں بیٹھا رہا تھا۔

پٹرول کی ٹنکی چونکہ پھٹ کر بکھر چکی تھی۔ اس لئے پورٹر اور بھی بے فکری
سے کار کی طرف بڑھتا رہا۔

کار کے قریب پہنچ کر اس نے سب سے پہلے کار میں ٹائیگر کی لاش تلاش [redacted]
ٹائیگر اس وقت کار میں ہی موجود تھا۔ اور بری طرح جھلس گیا تھا۔

عقبی حصے کی تمام چیزیں ٹوٹ کر گری ہوئی تھیں۔ اور ان چیزوں کے
نیچے ٹائیگر کی جھلسی ہوئی لاش پڑی تھی۔ اوپر پڑی ہوئے جلنے والی اشیا نے
آگ پکڑ لی تھی۔ اور اب لاش جلنے کی رہی سہی کسر بھی پوری ہونے لگی۔

ونڈ سکرین کے تو نہ جانے کتنے ٹکڑے ہوئے ہوں گے۔ البتہ ٹائیگر کے چہرے
پر ایسے کئی گڑھے تھے، جن کو دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔ کہ ونڈ سکرین کے
چھوٹے چھوٹے ذرے کھال میں گھس گئے تھے۔

بعد میں اس جگہ کو آگ نے جھلسا دیا تھا۔

ٹائیگر کے دونوں بازو ٹوٹے ہوئے دروازے سے باہر لٹک رہے تھے
بالوں کو جھلسا کر آگ نے اس کا چہرہ اور بھی بھیانک بنا دیا تھا۔

پورٹر خاموشی سے کھڑا اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی پیدا ہو گئی تھی۔

آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کا عکس اس کی پتلیوں میں رقص کر رہا تھا اور اس طرح اس کا چہرہ اس قدر خوف ناک دکھائی دے رہا تھا کہ اس وقت کمزور دل کا آدمی اسے دیکھتا تو بے ہوش ہو جاتا۔

اچھی بھلی خوبصورت کار چند منٹوں میں جل کر راکھ ہو گئی۔

کرنل ٹائیگر کی لاش جل کر کوئلہ ہو چکی تھی۔

پورٹر دیر تک کھڑا اس منظر کو دیکھتا رہا۔ اس کی محویت سے پتہ چلتا تھا، کہ اس منظر کو دیکھ کر اس کے کسی اندرونی جذبے کی تسکین ہو رہی ہے۔

شعلے سرد پڑ گئے۔ اور دھواں اٹھنے لگا۔ تو پورٹر چونک پڑا۔

دور اوپر سڑک سے شاید کسی نے اس منظر کو دیکھ لیا تھا۔ پورٹر کی نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ سڑک پر ٹوٹے ہوئے جنگلے کے قریب کئی آدمی کھڑے تھے وہ لوگ نیچے دیکھ رہے تھے۔

پورٹر نے ایک نظر ٹائیگر کی خاکستر لاش کو دیکھا اور ایک طرف چل دیا۔

اب وہ تیز رفتاری سے ایک ایسی پگڈنڈی پر چل رہا تھا۔ جو سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی اوپر سڑک کی طرف جا رہی تھی۔

چند لمحوں بعد ٹائیگر صدر دروازے میں دکھائی دیا۔ وہ اس وقت خاصا گھبرایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس لئے بار بار ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

وہ پھر تیزی سے پارکنگ میں کھڑی ہوئی اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔۔۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

کار تیزی سے سڑک پر پھسلتی ہوئی باہر سڑک پر آ گئی۔

ٹائیگر نے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر سگریٹ سلگائی اور گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ اچانک اسے پچھلی نشست پر سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔ اس نے عقبی منظر دیکھنے والے آئینے میں دیکھا اور اس کے ہاتھ اسٹیرنگ پر کانپ گئے۔

عقبی سیٹ پر وہی پراسرار آدمی بیٹھا ہوا تھا جسے اس نے بار کے کاؤنٹر پر دیکھا تھا۔ کک۔۔۔ کون ہو تم۔۔۔؟ ٹائیگر ہکلایا۔

پورٹر کو لوگ اتنی جلدی تو نہیں بھولتے۔ پراسرار آدمی کی سرسراتی ہوئی آواز سنائی دی اور ٹائیگر کا چہرہ مارے خوف کے سفید ہو گیا۔

ب۔ باس۔ یہ آپ ہیں آپ!

کیوں مجھے دیکھ کر حیرت کیوں ہو رہی ہے! تمہارا کیا خیال تھا۔ میں کبھی واپس نہیں آؤں گا۔؟

نن۔۔۔ نہیں تو باس۔۔۔ مجھے آپ کی واپسی پر بڑی خوشی ہوئی ہے۔

اور تم مارے خوشی کے کانپ رہے ہو۔ کیوں؟ اس مرتبہ آواز کی سرسراہٹ

میں کہا، کہ وہ مرنے کی حد تک بیزار ہو گئے۔ . . . پھر یہ زخم دھیرے دھیرے مندمل ہو گیا۔

اس کے بعد سے عمران نے کانوں کو ہاتھ لگا گیا تھا۔ کہ اب کسی سے محبت نہیں کرے گا۔ اور سلیمان تک کو حکم دے دیا تھا۔ کہ اس کی طرف پیار بھری نگاہوں سے دیکھنا چھوڑ ۔۔۔۔ آج وہ اداس تھا۔

اس اداسی کا پس منظر بھی بڑا دل چسپ اور انوکھا تھا۔

فیاض صبح ہی اس کے فلیٹ میں آ دھمکا تھا۔ بالکل فری سٹائل لڑنے والوں کی طرح پھنکارتا ہوا۔

اس نے آتے ہی تین چار گھونسے ہوا میں لہرائے تھے۔ ہوا میں یوں کہ عمران نے ان گھونسوں کو کوئی لفٹ ہی نہیں دی تھی۔

فیاض ایک روز پہلے کی بے عزتی پر اس قدر چراغ پا تھا کہ اسے دھمکی دیئے بغیر نہ رہ سکا۔

اب کے اگر موقعہ ملا تو یاد رکھنا حوالات میں ٹھونس دوں گا۔

ہوا میں لات گھمانے کا نتیجہ تمہیں معلوم ہے سو پر۔ !

فیاض بھڑک کر دوبارہ اٹھا۔ اور پھر عمران نے اسے پورے فلیٹ میں دوڑا لیا۔ بیس منٹ بعد کسی تھکے ہوئے بھینسے کی طرح بیٹھ کر ہانپنے لگا۔

میں کہتا ہوں تم اپنی زبان کو قابو میں کیوں نہیں رکھتے ! فیاض بے بسی سے

ہانپتا ہوا بولا۔

ہاتھوں کو قابو میں کرنے کے لئے محکمہ پولیس نے ہتھکڑیاں ایجاد کر رکھی ہیں۔ دماغ لڑاؤ کہ زبان پر قابو پانے کا کوئی طریقہ بھی سوچ ڈالو۔

یار خدا کے لئے دوسروں کے سامنے تو لحاظ کر لیا کرو۔

وعدہ کر لوں ؟

ہاں ! فیاض جھونک میں کہہ گیا۔

تو پھر مسٹر صدیقی کی پوسٹ مارٹم رپورٹ دکھا ڈالو چپکے سے۔

ہوں۔ فیاض نے غرا کر ہنکارا بھرا، اور جیب سے پوسٹمارٹم کی رپورٹ نکال کر عمران کے سامنے ڈال دی۔

عمران نے رپورٹ پڑھی اور پھر چونک کر فیاض کی طرف دیکھنے لگا، جو بڑی گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

پوسٹمارٹم کی رپورٹ، کچھ اتنی ہی عجیب تھی۔

مقتول کے دل کے چاروں طرف ایک گول دائرہ سا بنا ہوا تھا۔ ڈاکٹر نے تو صرف یہ کہہ کر بات ختم کر دی تھی۔ کہ مسٹر صدیقی ہارٹ سنک کے عارضے میں مبتلا تھے۔ لیکن ایکسرے رپورٹ۔ دل کے گرد ایک سیاہ دائرے کی داستان سنا رہی تھی اس سلسلے میں تمام ڈاکٹر خاموش تھے۔

عمران نے پوسٹ مارٹم والے لفافے سے ایکسرے فلم نکالی اور چٹکی میں پکڑ

کر کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا۔
دل کے گرد سیاہ دائرہ بہت واضح تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے لوہے کا ایک گول سیاہ زنگ کا چھلا دل پر چڑھا ہوا ہے۔

میں اپنا وعدہ واپس لیتا ہوں۔ عمران نے فلم کو لفافے میں ڈال کر لفافہ فیاض کے سامنے پھینک دیا۔

کیسا وعدہ؟ فیاض چونک پڑا۔

ابھی کچھ دیر پہلے جو کچھ تھا۔ کہ دوسروں کے سامنے ہیں۔ یعنی کہ۔۔۔ ہاں۔۔۔

اب کیا تکلیف ہونی ہے تمہیں؟ فیاض بھنّا گیا۔

ارے تم مجھے بے وقوف بنا کر وعدہ کروانا چاہتے ہو۔

کیا بکتے ہو؟

پیارے یہ رپورٹ اگر میں تم سے نہ بھی مانگتا تو تم خود مجھے دکھا دیتے کیوں؟

بکے جاؤ۔ فیاض برا سا منہ بنا کے دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔

اس کے بعد عمران اور فیاض کے درمیان ایک طویل گفتگو ہوئی جس میں عمران کی ذہنی رَو بلکہ زبانی رَو جو بہکی تو اسے بے وفا کتا یاد آ گیا۔

میں کہتا ہوں وہ تمہاری فیملی سے تعلق رکھتا تھا۔ طوطا چشم، کتے کی آنکھ کو طوطے کی آنکھ سے، یعنی چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔

اور فیاض سرکاری بوتوں کو سر پر رکھ کر جو بھاگا تو نیچے جا کر ہی دم لیتا۔

فیاض کے جانے کے بعد عمران نے ڈاکٹر داور کا نمبر ڈائل کیا اور سلسلہ ملنے کا انتظار کرنے لگا۔

ہیلو داور اسپیکنگ۔ دوسری طرف سے ڈاکٹر داور کی آواز سنائی دی۔ خلیل خان فاختہ، الا دس سائیڈ۔ عمران بولا۔

اوہ عمران۔ وہ انڈا حیرت انگیز ثابت ہوا۔

کک۔ کیا ہاتھی نکل آیا۔ اس میں سے عمران حیرت سے منہ پھاڑ کر بولا۔

تم یہاں آ جاؤ۔ خود دیکھ لو۔

ڈاکٹر داور نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ ظاہر ہے اب عمران کے ساتھ مزید گفتگو کرنا، اپنے دماغ میں بھس بھروانے کے مترادف تھا۔

عمران نیچے اترا۔ اس وقت وہ اپنے مخصوص ٹیکنی کلر لباس میں ملبوس تھا۔ گیراج سے فیاٹ نکالی۔ اور ڈاکٹر داور کی طرف چل دیا۔

ڈاکٹر داور ملک کے مایہ ناز سائنس دان تھے۔ کئی ایجادات ان کے نام سے منسوب تھیں۔ وہ ایک عمر رسیدہ شخص تھے۔ جو ہر وقت لیبارٹری میں گھسے تجربات میں مصروف رہتے۔ لیبارٹری انہوں نے اپنی کوٹھی میں ہی بنوا رکھی تھی۔

اگرچہ یہ ایک چھوٹی سی لیبارٹری تھی۔ تاہم جدید ترین انسٹرومنٹس سے

لیس تھی۔

ڈاکٹر داور کی ایک لڑکی تھی۔ جو یونیورسٹی میں فلسفہ کی طالبہ تھی۔ اس کے علاوہ ان کا اس دنیا میں اگر کسی سے رشتہ تھا تو صرف سائنسی آلات کے ساتھ۔

داور ہلیس پہنچنے میں عمران کو صرف پندرہ منٹ صرف ہوئے۔

اس نے مین گیٹ کے سامنے گاڑی روک کر دو تین ہارن دیئے۔ لیکن سامنے کوئی دکھائی نہیں دیا۔ مجبوراً اسے نیچے اتر کر خود ہی گیٹ کھولنا پڑا۔

گیٹ کھول کر وہ فیاٹ اندر لایا اور پھر گیٹ کو بند کر کے دوبارہ فیاٹ اسٹارٹ کی۔ ابھی اس نے گاڑی گیئر میں ڈالی ہی تھی۔ کہ اسے چونک کر رک جانا پڑا۔

شبانہ جو کہ ڈاکٹر داور کی بیٹی تھی نہ جانے کدھر سے نکل کر فیاٹ کے سامنے آگئی۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر عمران کو گھور رہی تھی۔

سلام علیکم مس شمامہ۔ عمران نے بوکھلا کر ہاتھ پیشانی سے لگا کر گنواروں کی طرح اسے سلام کیا۔

شبانہ خاموشی سے چلتی ہوئی ڈرائیونگ سیٹ کی کھڑکی کی طرف آئی۔

تمہیں کس گدھے نے ڈرائیور رکھا ہے۔ شبانہ نے ناک کی پھننگ پر گرے ہوئے موٹے شیشوں کی عینک کو درست کرتے ہوئے غرا کر پوچھا۔

عمران ہونقوں کی طرح اسے گھورنے لگا۔

وہ سمجھ گیا کہ محترمہ کا ذہن فلسفہ کے کسی مسئلہ میں الجھا ہوا ہے اور ایسی حالت میں اس کی دماغی غیر حاضری کچھ عجب نہ تھی۔

تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔

مجھے شرم آتی ہے۔ عمران کا چہرہ مارے شرم کے یکدم لال بھبھوکا ہو گیا۔

کسے دیکھ کر۔

ل۔ لڑکیوں کو دیکھ کر۔ عمران بوکھلا گیا۔

لڑکیوں کو دیکھ کر۔ شبانہ نے حیرت سے پلکیں جھپکا کر اسے دیکھا۔ کیا تم کسی ٹال پر ملازم ہو؟

ج۔ جی۔ عمران کی سٹی گم ہو گئی۔

نیچے اترو۔ یہ کیا طریقہ ہے گفتگو کرنے کا۔ شبانہ نے اپنا چشمہ دوبارہ درست کیا۔ اور دروازہ کھول کر عمران کا کالر پکڑ لیا۔

چ چھ۔ چھوڑیئے۔ چھوڑیئے۔ میں تو یہاں ڈاکٹر صاحب کو ملنے آیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب سے! تمہیں کیا عارضہ ہے؟

مجھے کیریا ہو گیا ہے۔ عمران گلوگیر لہجے میں بولا۔ اور پھر اس کی آنکھوں سے ساون بھادوں کی جھڑی شروع ہو گئی۔

موٹے موٹے آنسو آنکھوں سے نکل نکل کر گالوں پر بہتے ہوئے اس کے

لبوں تک آ گئے۔ شبانہ غور سے اسے دیکھتی رہی اور پھر مایوسی سے سر جھٹکا۔

تمہارا علاج میں خود کروں گی۔

مم۔ مگر۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے بلایا ہے۔

ٹھیک ہے۔ اگر میرا علاج تسلی بخش نہ رہا۔ تو تم ان سے مل لینا۔

چلو اب سب سے پہلے یہ قمیص اتار دو۔

کک۔ کیوں؟ عمران بوکھلا کر سینہ پیٹنے لگا۔

پہلے قمیص اتار کر اس پلاٹ کا ایک چکر لگا کر آؤ۔ اس طرح تمہارے دل کی گھٹن قدرے دور ہو جائے گی۔ تو تشخیص میں آسانی رہے گی۔

شبانہ نے اب زبردستی اس کی قمیص اتارنی شروع کر دی۔ عمران نے اس مرتبہ اس کے ہاتھ نہیں روکے

قمیص اتار کر شبانہ نے فیاٹ کی فرنٹ سیٹ پر ڈال دی۔ اور عمران کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ اس گھاس کے پلاٹ کا دوڑتے ہوئے ایک چکر لگاؤ۔ چلو۔ عمران نے پہلے تو دوڑ لگانے والوں کی سی پوزیشن اختیار کی۔ اس پر شبانہ باقاعدہ ریفری کی طرح بول اٹھی:۔

گیٹ .... سیٹ ... گو۔

عمران کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح آگے بڑھا۔ لیکن اس کا رُخ گھاس کے اس پلاٹ کی طرف نہیں تھا۔ جس کی طرف شبانہ نے اشارہ کیا تھا۔

بلکہ سیدھے ہاتھ کی روش پر وہ دوڑتا ہی چلا گیا۔ شبانہ [illegible] تو چیختی ہوئی اس کے پیچھے بھاگی۔ ادھر نہیں۔ ادھر چلو، ادھر۔

عمران نے جو اسے پیچھا کرتے دیکھا تو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا اور ڈاکٹر داور کی تجربہ گاہ میں جا گھسا۔

اندر گھستے ہی اس نے دروازہ اچھی طرح بند کر کے بولٹ کر دیا۔

ڈاکٹر داور نے حیرت سے عمران کی طرف دیکھا جس نے اس وقت پتلون پر صرف بنیان پہن رکھی تھی۔ وہ سر پر فلیٹ ہیٹ بھی پہنے ہوئے تھا۔

دروازے کے ساتھ لگا ہوا وہ یوں ہانپ رہا تھا جیسے کسی باؤلے کتے نے اسے دوڑا لیا ہو۔ اور وہ بمشکل جان بچا کر کمرے میں گھس آیا ہو۔

کیا ہوا؟ یہ تم نے کیا حلیہ بنا رکھا ہے۔؟

جج۔ جی، وہ۔ میں، یعنی فلسفے کی کلاس سے اٹھ کر آ رہا ہوں۔

کیا بکتے ہو۔ ڈاکٹر داور اس بے وقت کے مذاق پر بری طرح جھلا اُٹھے

بتاؤ کیا بات ہے؟

جواباً عمران نے تفصیل کے ساتھ سارا قصہ بیان کر دیا۔

ڈاکٹر داور کا مارے ہنسی کے برا حال ہو گیا۔

تم خود کو بہت بڑا شیطان سمجھتے تھے ناں۔ تمہارے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ تاکہ تم دوسروں کو بور نہ کرو۔

مم۔ مجھے سردی لگ رہی ہے۔ عمران دانت کٹکٹا کر بولا۔ باہر تو دھوپ ہے۔ میں آج کوٹ پہننا بھول گیا تھا۔

ٹھیک ہے آؤ.... تمہاری یہی سزا ہے۔

ڈاکٹر داور اسے پکڑ کر ایک لیبارٹری ٹیبل کے قریب لے گئے۔ عمران نے دیکھا۔ میز پر شیشے کا ایک بہت بڑا جار رکھا ہوا ہے۔

جار کی تہہ میں ایک انڈا رکھا ہوا تھا۔ اور جار کی سطح میں ایک پائپ کے ذریعے ویکیوم پمپ لگا ہوا تھا۔

جار میں سیاہ رنگ کے کئی دائرے اوپر نیچے چکرا رہے تھے۔

یہ کیا تماشہ ہے۔ عمران بڑبڑاتا ہوا جار پر جھک گیا۔ ڈاکٹر داور مسکراتے ہوئے اس کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔ دوسرے ہی لمحے انہوں نے ہاتھ بڑھا کر عمران کی گردن ناپ لی۔ اور عمران چیخ اٹھا۔

بتاؤ تم نے انڈے میں انہیں کس طرح داخل کیا تھا؟

قسم ہے جو میں نے یہ حرکت کی ہو۔

بکومت۔ سیدھی طرح بتاؤ۔ ویسے تمہاری یہ شرارت انتہائی حیرت انگیز ہے

آپ کی جوانی کی قسم! میں اس سلسلہ میں کچھ نہیں جانتا۔ عمران نے رونے والے لہجے میں ڈاکٹر داور کو یقین دلانے کی کوشش کی۔

پھر یہ سب کیا ہے؟ ڈاکٹر داور نے جھینپ کر سوال کیا۔

جواباً عمران نے مسٹر صدیقی کی موت کی داستان اور انڈے کے حصول کی ان کے گوش گزار کی۔ لیکن ڈاکٹر داور کو یقین نہ آیا۔

سر سلطان کو فون کر کے معلوم کر لیں جناب۔ عمران نے جھلا کر کہا۔

ڈاکٹر داور چند لمحے اسے گھورتے رہے پھر وہ ٹیلی فون کی طرف بڑھ گئے۔ انہوں نے فون پر کسی کے نمبر ڈائل کئے۔ اور سلسلہ ملنے کا انتظار کرنے لگے۔

دوسری طرف سے جب گفتگو کا آغاز ہوا تو عمران سمجھ گیا کہ دوسری طرف سر سلطان ہی ہیں۔

ڈاکٹر داور کئی منٹوں تک سر سلطان سے گفتگو کرتے رہے پھر سلسلہ منقطع کر کے وہ واپس آئے۔ ان کے چہرے پر سوچ کی سلوٹیں تھیں۔ اور وہ متفکر دکھائی دے رہے تھے۔

سر سلطان نے تمہاری باتوں کی تائید کی ہے۔ ڈاکٹر داور نے عمران کے قریب آتے ہی کہا۔ اور غور سے عمران کی طرف دیکھنے لگے۔ یہ ایک حیرت انگیز بات ہے۔

عمران جانتے ہو یہ دائرے جو جار میں تیرتے پھر رہے ہیں۔ کس چیز کے ہیں۔؟

آپ بتائیں۔ مجھے تو مارے سردی کے کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔

یہ آرسانک گیس کے رنگ ہیں، لیکن تم تو جانتے ہی ہو گیس کبھی اس شکل میں نہیں پائی جاتی۔ ڈاکٹر نے پرخیال لہجے میں عمران کو بتایا۔

اس گیس میں ایک انتہائی خطرناک زہر کو شامل کیا گیا ہے، اور یہ صرف

[illegible] رکھ سکتے ہیں۔ انڈے میں خلاء پیدا کر کے اس میں ان کو داخل کرنا ایک حیرت انگیز عمل ہے عمران۔

لیکن اس سے مسٹر صدیقی کس طرح متاثر ہوئے۔

عام فضا میں اگر اس انڈے کو توڑا جائے تو یہ آکسیجن کے ساتھ حل ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں اگر کوئی جاندار قریب موجود ہوگا۔ تو یہ سانس کے ذریعے اندر چلے جائیں گے۔

اوہ! عمران نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

آؤ تمہیں دکھاؤں۔ ڈاکٹر داور عمران کو ایک طرف لے گئے۔ عمران نے دیکھا یہاں ایک جار تھا جس میں صرف دو سیاہ دائرے تیر رہے تھے۔ ڈاکٹر داور نے اس جار کو اٹھا لیا۔ اب ان کا رُخ ایک ایسی میز کی طرف تھا جس پر بہت سے خرگوش پنجروں میں بند اپنی چمکیلی نگاہوں سے ادھر ادھر کا رُخ کر رہے تھے۔

ڈاکٹر داور نے ایک خرگوش کو نکال کر ایک جار میں ڈال دیا۔ اور گیس کے چھلوں والے جار کے اوپر لگی ہوئی ربڑ کی نالی کا دوسرا سرا خرگوش والے جار کے منہ سے ملا دیا۔

ٹیپ کو ڈھیلا کیا۔

گیس کے چھلے چند لمحوں میں جار سے غائب ہو گئے۔

خرگوش آنکھیں جھپکا جھپکا کر عمران اور ڈاکٹر داور کو دیکھ رہا تھا، اچانک وہ اچھلا اور بغیر تڑپے پھر ساکت ہو گیا۔

اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

عمران نے حیرت سے دیکھا، خرگوش مر چکا تھا۔

چند منٹوں بعد ڈاکٹر داور نے جار سے اسے نکال کر میز پر ڈال دیا اور خود عمران کی طرف متوجہ ہو گئے جو بڑی دلچسپی سے خرگوش کو گھور رہا تھا۔

اگر میں یہ کہوں کہ گیس رنگ خرگوش کے دل پر جا کر جم گیا ہے تو ...؟

تو میں تمہیں گدھا سمجھ کر معاف کر دوں گا۔ ڈاکٹر داور نے برا سا منہ بنا کر عمران کو گھورا۔ اور عمران خرگوش کو ٹانگ سے پکڑ کر کونے میں رکھی ہوئی ایکسرے مشین کی طرف بڑھ گیا۔

چند لمحوں بعد فلم اسٹینڈ پر عکس ہوئی تو ڈاکٹر داور عمران کو یوں گھورنے لگے جیسے وہ آٹھواں عجوبہ رہا ہو۔ خرگوش کے دل پر واقعی گول نشان موجود تھا۔

یہ سب کچھ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟

مسٹر صدیقی کی ایکسرے رپورٹ سے۔ عمران نے جواب دیا۔ اور پھر بہت دیر تک وہ ڈاکٹر داور کے ساتھ سائنسی معاملات پر بحث کرتا رہا۔

اب آپ براہ کرم میری شرٹ واپس دلوائیں تاکہ میں عزت کے ساتھ واپس جا سکوں، عمران نے درخواست کی۔

ڈاکٹر داور مسکرا دیئے۔ اور اسے ساتھ لے کر تجربہ گاہ سے باہر آ گئے۔



جولیا اس وقت بڑے موڈ میں تھی۔ اس کے لبوں سے ایک سوئس گیت کے بول انگڑائیاں لے لے کر بیدار ہو رہے تھے۔ اچانک ٹیلیفون کی گھنٹی اتنی زور سے چیخی کہ جولیا گنگنانا بھول کر فون کی طرف لپکی۔

جولیا دس سائیڈ۔

ایکسٹو۔۔۔۔ ایکسٹو کی مخصوص بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

یس سر ایٹ یور سروس، جولیا نے مؤدب لہجے میں کہا۔

صفدر کو اسی وقت یام گرد روانہ کر دو۔

جی بہتر۔ اسے وہاں پہنچ کر کیا کرنا ہے؟

ممکن ہے۔ وہاں ایک پراسرار آدمی دکھائی دے۔ صفدر کو اس کا تعاقب کرنا ہے۔ لیکن ایک بات کی تاکید کر دینا۔ کسی معاملے میں مداخلت نہ ہو۔

جی بہت بہتر۔ میں ابھی صفدر کو اطلاع کرتی ہوں۔

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا تو جولیا نے کریڈل دبا کر فون بند کر دیا۔

وہ کریڈل دبائے اسی طرح کھڑی رہی۔

شاید وہ اس پراسرار آدمی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ جس کے

بارے میں صفدر کو معلومات حاصل کرنا تھیں۔

گویا کوئی چکر شروع ہو چکا ہے۔ وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

ایکسٹو زیادہ دن بیکار نہیں رہتا۔ وہ ایک کے بعد دوسری مصروفیت جلد ہی تلاش کر لیتا ہے۔ جولیا الجھی الجھی سی صفدر کے نمبر ڈائیل کرنے لگی۔

دوسری طرف صفدر نے جلد ہی ٹیلیفون اٹینڈ کر لیا۔

ہوازڈیئر! صفدر کی آواز سنائی دی۔

جولیا فٹز واٹر۔ جولیا کے لہجے میں شوخی تھی۔

اوہ جولی کیا بات ہے؟ بڑی خوشی محسوس ہوتی ہو۔

چکر چل پڑا ہے۔ مبارک ہو۔

اوہ۔ کوئی خاص چکر۔؟

ظاہر ہے عام چکروں کے لئے فیاض کا محکمہ ہی کافی ہے۔

ہوں۔ حضرت حکیم مولانا عمران کا ہاتھ دکھائی دیتا ہے، صفدر نے ہنستے ہوئے کہا۔ اور کام کے بارے میں پوچھنے لگا۔

ابھی ابھی ایکسٹو نے کال کی تھی۔ تمہارے لئے کام ہے۔

بھئی ایسا بتا بھی چکو۔ صفدر بے تابی سے بولا۔

یام گرد میں کسی پراسرار آدمی کی تلاش کرو اور پھر اس کے بارے میں معلومات حاصل کر کے رپورٹ دو۔ بس اتنا سا کام ہے۔

اوہ... نگرانی جیسا معمولی کام۔ صفدر کی اکتائی ہوئی آواز آئی۔

مقصد ہے اپنا اپنا۔ جولیا نے ہنس کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

صفدر نے ایک طویل سانس لیکر ریسیور کریڈل میں ڈال دیا اور کپڑے بدلنے لگا۔ تعاقب جیسے کام کے لئے موزوں لباس زیب تن کرنے میں اسے چند منٹوں سے زیادہ وقت نہیں لگا۔

فلیٹ مقفل کرنے کے بعد اس نے موٹر سائیکل نکالی اور حتی الوسع تیز رفتاری سے پام گرو کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

اس وقت پام گرو کا ہال لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

میزوں پر کہنیاں ٹکائے ایک دوسرے کی طرف جھکے ہوئے لوگوں کی سرگوشیاں ماحول میں رومان کی لہر دوڑا رہی تھیں۔

کبھی کبھی کوئی سریلا قہقہہ سنائی دیتا۔ اور سرگوشیوں کا ماحول یوں متاثر ہوتا۔ جیسے کسی نے ستار کے خاموش تاروں کو چھیڑ دیا ہو۔

صفدر نے موٹر سائیکل پارکنگ میں چھوڑ دی۔ اور خود ہال کے دروازے میں کھڑا ہو کر جائزہ لینے لگا۔

ہال میں ایسا کوئی بھی آدمی دکھائی نہیں دیا جو ایکسٹو کی اطلاع کے مطابق پراسرار رہا ہو۔ صفدر نے انتہائی غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کر لیا۔ کہ ہال میں اس وقت کوئی ایسا آدمی نہیں جس پر پراسرار ہونے کا لگایا جاسکے۔ اس نے

دروازے میں کھڑے کھڑے سگرٹ کا پیکٹ نکالا اور سگریٹ سلگا کر ہلکے ہلکے کش لگاتا رہا۔ دھواں اڑاتا کسی مناسب جگہ کے لئے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں۔ ہال میں اس وقت ایک بھی سیٹ خالی نہیں تھی۔

مجبوراً صفدر کاؤنٹر پر ہی کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہنیاں کاؤنٹر پر لگا دیں۔ اور سگریٹ کا گہرا کش لیا۔

بارٹنڈر اس کی طرف بڑھا۔ کیا پیش کروں جناب؟

وہسکی ہاف پیگ۔ صفدر نے آرڈر دیا اور خاموشی سے سگریٹ پیتا رہا۔

پیگ اس کے سامنے پہنچ گیا۔ لیکن صفدر نے کوئی توجہ نہ دی۔ اس کے چہرے پر اس قسم کے تاثرات ابھر آئے۔ جیسے وہ کسی مسئلہ پر غور و فکر کر رہا ہو۔ اور یہ غور و فکر جاری رہا۔ شراب کا پیگ... سامنے پڑا رہا۔

اچانک اسے کاؤنٹر کے عقبی دروازے سے نکلتا ہوا ایک آدمی دکھائی دیا۔ صفدر چونک پڑا۔ یہ آدمی کچھ مشکوک سا تھا۔

بغور دیکھنے پر بھی اس کا چہرہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔

صفدر نے جیب سے ایک نوٹ نکال کر کاؤنٹر پر ڈال دیا اور سگریٹ کا ایک گہرا کش لگا کر سگریٹ کو ایش ٹرے میں بجھا دیا۔

کاؤنٹر کے عقبی دروازے سے نکلنے والا شخص بلاشبہ پراسرار ہی تھا۔

وہ کاؤنٹر کے قریب آ کر رک گیا۔

ادھر ادھر متلاشی نگاہوں سے ہال میں دیکھنے کے بعد اس نے ایک ایسا اشارہ کیا جس کا مطلب صفدر فوری طور پر نہیں سمجھ سکا۔ لیکن جلد ہی اس نے دیکھ لیا۔ ایک خوبصورت لڑکی اپنی سیٹ سے اٹھ گئی اور اب اس کا رخ صدر دروازے کی طرف تھا۔ صفدر بھی خاموشی سے نکل کر پارکنگ میں پہنچ گیا۔

اس کے خیال کے مطابق پراسرار آدمی اور لڑکی کہیں جانے والے تھے۔ اس لئے اس نے پیش بندی کے لئے اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور بیرونی گیٹ سے باہر سڑک پر آگیا۔ کچھ فاصلے پر آکر اس نے موٹر سائیکل ایک جگہ روک دی۔

یہاں سے وہ مین گیٹ سے نکلنے والی ہر گاڑی پر نگاہ رکھ سکتا تھا۔

چند لمحوں بعد ایک سیاہ سیڈان گیٹ سے نکلتی دکھائی دی۔

صفدر نے موٹر سائیکل کو کک لگائی اور گیئر میں ڈال کر کلچ ہاتھ میں دبائے سیڈان کو دیکھتا رہا۔

سیڈان گیٹ سے نکل کر ایک طرف روانہ ہو گئی۔

صفدر انتظار کرتا رہا کہ کب وہ لڑکی بھی باہر نکلتی ہے۔ لیکن لڑکی نہ جانے کہاں رہ گئی تھی۔ صفدر نے سیڈان کی طرف دیکھا اور پھر کلچ پر اس کے ہاتھ کی گرفت کم ہوتی چلی گئی۔

ظاہر ہے اب وہ لڑکی کے انتظار میں سیڈان کو ہاتھ سے نہیں کھونا

چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا لڑکی بھی اسی پراسرار آدمی کے ساتھ ہی ہوگی۔

اس نے سیڈان کا بغور جائزہ لیا۔

سیڈان میں اس پراسرار آدمی کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔

وہ کافی فاصلہ دے کر سیڈان کا تعاقب کرتا رہا۔ سیاہ سیڈان اس وقت ساحل کی طرف جانے والی سڑک پر جا رہی تھی۔

چونکہ ابھی تک معاملے کا صفدر کو پتہ ہی نہیں تھا۔ اس لئے وہ حد درجہ محتاط رہ کر تعاقب کر رہا تھا۔ اس وقت اس کے ذہن میں ایکسٹو کا حکم بھی جکڑا رہا تھا۔ کہ کسی قسم کی مداخلت نہ کی جائے۔

سیڈان اس وقت ویران سڑک پر چل رہی تھی۔

صفدر نے احتیاط کے پیش نظر ہیڈ لائٹ بجھا دی۔ اب وہ سیڈان کی عقبی سرخ بتیوں کے سہارے آگے بڑھ رہا تھا۔

اچانک صفدر کو عقبی منظر دیکھنے والے آئینے میں کسی کار کی مدھم سی ہیڈ لائٹ دکھائی دی تو وہ چونک پڑا۔

اس کار میں کون ہے؟ کیا وہی لڑکی جسے ہال کمرہ میں اس پراسرار آدمی نے کوئی اشارہ کیا تھا۔

صفدر کے ذہن میں جیسے ہی یہ خیال آیا۔ اس نے بائیں ہاتھ ایک چھوٹے سے کچے راستے پر موٹر سائیکل اتار دی۔ اور چند اونچی جھاڑیوں کے

پیچھے جاکر رک گیا۔

اس وقت اتنا اندھیرا تھا کہ سڑک پر جانے والی کسی بھی گاڑی سے اسے دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔ پھر بھی احتیاطاً یہ لازم تھا کہ خود کو پوشیدہ رکھا جائے۔

پیچھے سے آنے والی کار لمحہ بہ لمحہ قریب آتی چلی گئی۔

اور پھر زن سے گزر گئی۔ کار کی رفتار بہت تیز تھی۔ صفدر ڈرائیونگ سیٹ پر ایک سائے کے علاوہ کچھ نہیں دیکھ سکا۔

اس نے سڑک پر پہنچنے میں ذرا سی بھی سستی کا مظاہرہ نہیں کیا۔

سڑک پر پہنچ کر اسے محسوس ہوا کہ کار تو بہت دور نکل گئی ہے پھر پہلی والی گاڑی کا دور دور نام ونشان نہیں تھا۔

صفدر کو اطمینان تھا کہ سیاہ سیڈان ساحل کے سوا کہیں نہیں جا سکتی کیونکہ یہ سڑک صرف ساحل تک ہی جاتی تھی۔

اس نے اپنی رفتار تیز کر دی۔

چند ہی لمحوں میں وہ کار کا مناسب فاصلے سے تعاقب کر رہا تھا۔

اگر لیوریٹا اس لڑکی کو اشارہ نہ کرتا تو شاید صفدر اس کار کو کوئی اہمیت ہی نہ دیتا بلکہ خاموشی سے تعاقب جاری رکھتا۔ لیکن اس کے پیش نظر اب وہ دونوں ہی تھے۔

اسے ان دونوں پر نگاہ رکھنی تھی۔

اگلی کار ساحل سے کچھ ادھر ہی بائیں ہاتھ ایک کچی سڑک پر چڑھ گئی صفدر نے اپنی موٹر سائیکل سڑک پر ہی روک لی۔

کار کچے راستے پر چلتی ہوئی درختوں کے ایک جھنڈ کے عقب میں غائب تو صفدر نے موٹر سائیکل اسی راستے پر موڑ لی۔

اب اس کی رفتار بہت ہی آہستہ تھی۔ اس نے فٹ بریک سے کچھ اوپر لگے ہوئے ایک لیور کو پاؤں سے دبا دیا اور موٹر سائیکل کی پھٹ پھٹ ہلکی سی سوں سوں میں بدل گئی۔

تاریکی میں موٹر سائیکل سرسراتی ہوئی درختوں کے اس جھنڈ تک پہنچی جس سے کچھ فاصلے پر ایک عمارت کے برآمدہ میں کار کی سرخ بتیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

صفدر نے اپنی موٹر سائیکل اسی جھنڈ کے پاس روک لی اور تیزی سے جھاڑی کے پیچھے چھپا دیا۔ بغلی ہولسٹر میں ریوالور ٹٹول کر اطمینان کر لیا، اور تیزی سے ہرن کی طرح بڑھا۔ تاریکی میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

کار کی بتیاں بھی بجھ چکی تھیں، اس لئے صفدر اور بھی محتاط ہو گیا۔

اچانک اسے اپنے آس پاس کئی سائے سے محسوس ہوئے، دوسرے ہی لمحے وہ زمین پر گر گیا۔

اسے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی۔ کہ عمارت کے چاروں طرف انجانے سائے پہرہ دے رہے ہیں۔ اب یہ رینگتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

زمین پتھریلی تھی۔ اس لئے وہ اور بھی زیادہ احتیاط کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ عمارت تک پہنچتے پہنچتے اس کی کہنیاں اور گھٹنے چھل گئے، پتلون گھٹنوں سے بالکل اڑ گئی تھی۔

لیکن اس وقت اسے ان باتوں کی کہاں پرواہ تھی۔ وہ سانپ کی طرح سرسراتا ہوا رینگتا عمارت کے عقب میں پہنچ گیا۔

اس طرف ایک کھڑکی تھی۔

صفدر نے دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑکی پر دباؤ ڈالا۔ لیکن اسے مایوسی ہوئی، کھڑکی اندر سے بند تھی۔

وہ تیزی سے اس درخت کی طرف بڑھ گیا، جو عمارت کے کونے میں لگا ہوا تھا۔ اور اس کی بڑی بڑی شاخیں عمارت کی چھت پر جھکی ہوئی تھیں۔

صفدر نے جلدی سے جوتے اتار کر جیبوں میں ٹھونسے اور آہستہ لے کر اوپر چڑھتا چلا گیا۔

ایک موٹی اور مضبوط شاخ نے چھت تک پہنچنے میں اس کی مدد کی۔

چھت پر پہنچ کر وہ دھیرے سے کودا، اور اس روشندان کی طرف بڑھ گیا

جو اس وقت روشن دکھائی دے رہا تھا۔

وہ گربہ قدمی سے روشندان تک پہنچا اور جھک کر اندر دیکھا۔

اندر ایک خوبصورت لڑکی دکھائی دی۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔

اس کے سامنے پورٹر کھڑا تھا۔ لیکن اس طرح کہ اس کی پیٹھ صفدر کی طرف تھی۔

صفدر نے ریوالور ہولسٹر سے نکال کر احتیاطاً ہاتھ میں لے لیا۔ اور روشندان میں ہلکی سی جھری پیدا کر لی۔ تاکہ ان کی گفتگو سن سکے۔

کسی نے تمہیں دیکھا تو نہیں۔ ایک ہلکی سی سرسراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ جو بلاشبہ پورٹر ہی کی تھی۔

نو باس۔ میں بہت احتیاط برتتی ہوں۔

لڑکی کی آواز سنائی دی۔ صفدر نے غور سے دیکھا۔ وہ کوئی دیسی لڑکی تھی۔ خدوخال میں تیکھا پن تھا۔

"ٹائیگر ایکسیڈنٹ میں مر گیا باس" لڑکی کے لہجے میں خوف تھا۔

ہاں گروہ سے غداری کا انجام انتہائی بھیانک ہوتا ہے۔ اس مرتبہ پورٹر کی آواز میں حد درجہ تلخی تھی۔

لیکن باس۔ لڑکی نے کچھ کہنا چاہا۔

تم صرف اپنے کام سے کام رکھو۔ اس قسم کے اندیشے تمہارے اندر بزدلی اور کوتاہی پیدا کر دیں گے۔

میں آپ کے حکم پر عمل کروں گی۔

شاباش۔ عقلمندی کا تقاضا بھی یہی ہے۔ تم اپنا کام کب تک مکمل کرلوگی

پورٹر کی سرسراہٹ سنائی دی۔

بہت جلد باس۔ میں کوشش کر رہی ہوں۔

اچانک صفدر کو اپنے دائیں ہاتھ ہلکی سی آہٹ محسوس ہوئی۔ وہ چونک کر مڑا۔ اور یہی پھرتی اس کے کام آگئی۔

اس نے حملہ آور سائے کا اٹھا ہوا ہاتھ پکڑ لیا اور ایک زوردار جھٹکے سے اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی لوہے کی موٹی سلاخ دور پھینک دی۔

ایک ہاتھ حملہ آور کی گردن پر جم گیا۔

حملہ آور بڑے زور سے مچلا لیکن صفدر کی گرفت کچھ ایسی کمزور بھی نہیں تھی۔ اس نے جھٹکے سے اسے نیچے پٹخ دیا۔ اور اوپر چڑھ کر ریوالور کا دستہ پوری قوت سے اس کے سر پر آزما ڈالا۔ حملہ آور نے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیے۔

چھت پر چمنی کے عقب میں بے ہوش حملہ آور کو چھوڑ کر ابھی وہ سیدھا ہی ہوا تھا۔ اسے ایک اور آہٹ سنائی دی۔

سب ٹھیک ہے نیگن۔ کسی نے اندھیرے میں کچھ فاصلے سے پوچھا۔

ہاں۔ تم ادھر کا خیال رکھو۔ صفدر نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

ہوشیاری سے۔ وہی آواز دوبارہ سنائی دی۔ اور صفدر نے کسی کے دور جاتے ہوئے قدموں کی چاپ سنی۔

وہ دوبارہ روشندان کی طرف لپکا۔ اور جھانکا اور ایک طویل سانس اس کے حلق سے آزاد ہوگئی۔

کمرے میں اس وقت صرف وہی پراسرار آدمی کھڑا تھا۔ لڑکی شاید جا چکی تھی۔

پھر صفدر کے حساس کانوں سے کسی کار کے اسٹارٹ ہونے کی آواز ٹکرائی اور وہ سمجھ گیا کہ لڑکی واپس جا رہی ہے۔

کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سن کر پورٹر بھی اس کمرے میں سے چلا گیا۔

صفدر کو افسوس ہونے لگا، کہ وہ ان کے درمیان ہونے والی گفتگو نہیں سن سکا۔ لیکن اسی لمحے ایک روز خیال اس کے ذہن میں رینگ آیا۔ اور اس کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

کام اگرچہ مشکل تھا۔ لیکن صفدر کی جبلت میں مشکل کام نپٹانا ہی تھا اس نے فوری طور پر اپنے خیال کو عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا۔

بے ہوش آدمی کو ٹانگوں سے گھسیٹ کر وہ اس شاخ تک لے آیا۔ جس کے ذریعے وہ چھت تک پہنچا تھا۔

شاخ تک پہنچ کر اس نے آہٹ لی۔ اور دوسرے ہی لمحے وہ بے ہوش

آدمی کی کنپٹی کی ایک مخصوص رگ دبا رہا تھا۔

اب وہ مزید دو گھنٹے کے لئے اس کی طرف سے بےفکر ہو گیا تھا۔ لیکن اصل فکر تو اسے نکال لے جانے کی تھی۔ اور یہی درحقیقت ایک مشکل کام تھا۔

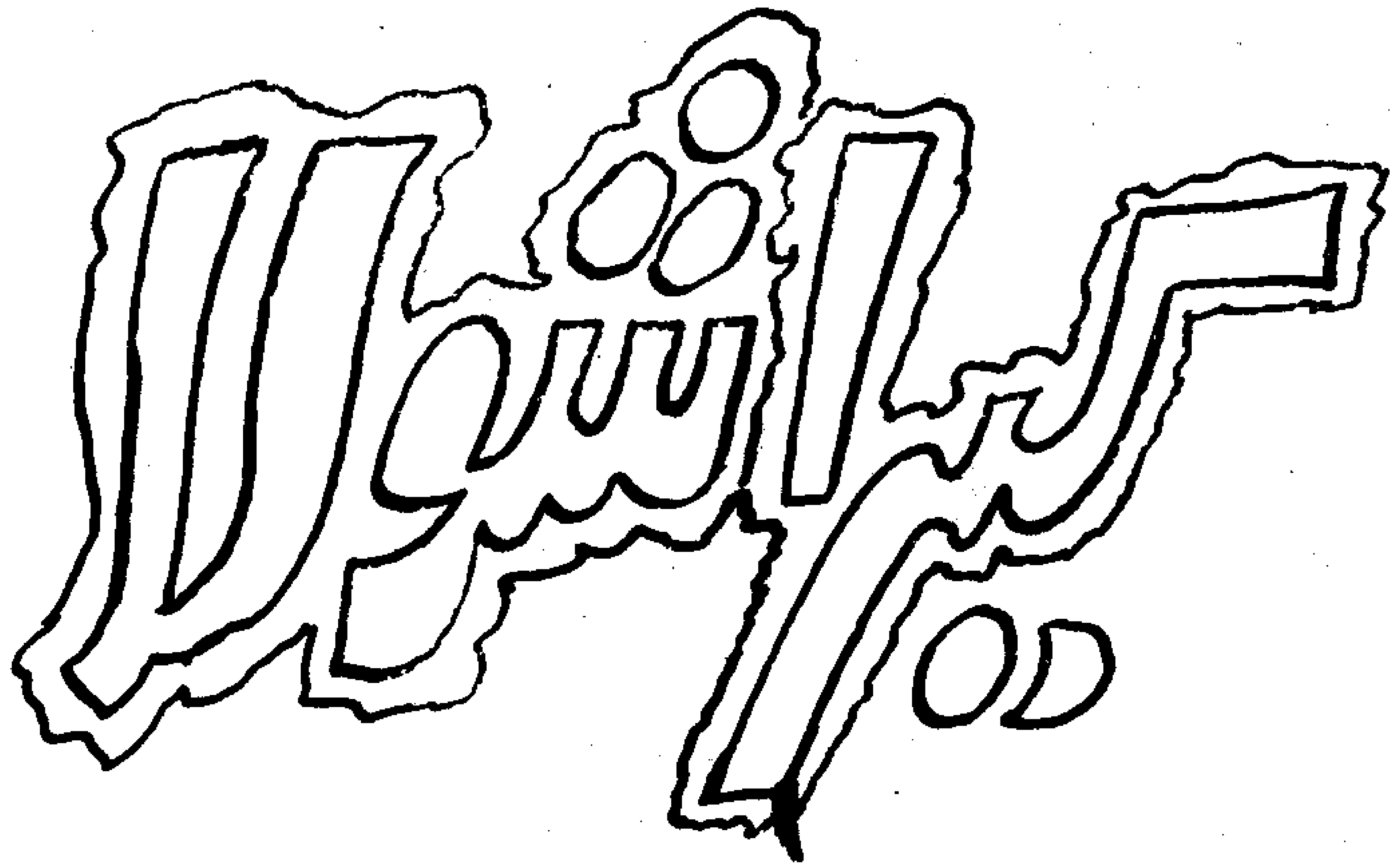
اس وقت اس کے ذہن میں ایکسٹو کا وہ حکم بھی گھوم گیا کہ کسی کام میں مداخلت نہ کرے، لیکن اس کے ذہن پر تو بس ایک ہی خیال چھایا ہوا تھا۔ کسی نہ کسی طرح اس شخص کو نکال لے جائے۔

اس نے بے ہوش آدمی کو کندھے پر ڈالا۔ اور شاخ پر ہوتا ہوا نیچے اتر آیا۔ کچھ دیر آہٹ لینے کے بعد صفدر نے بے ہوش آدمی کو نیچے لٹا دیا اور خود اس کے اوپر لیٹ گیا۔ بے ہوش آدمی کے ہاتھ اپنے گلے میں ڈال لئے۔ اور پھر وہ آہستہ آہستہ واپسی کے لئے رینگنے لگا۔ بڑی احتیاط سے ادھر ادھر آہٹ لیتا ہوا وہ عمارت سے کافی فاصلے پر نکل آیا۔

جب اسے اطمینان ہو گیا کہ اس پاس کوئی نہیں ہے تو وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بے ہوش آدمی کو کندھے پر ڈالا اور تیزی سے اس جھاڑی کی طرف چل دیا۔ جہاں اس نے موٹر سائیکل چھپائی تھی۔

پہلا حصّہ ختم ہوا ۔ دوسرا حصّہ کیبی لورڈ میں ملاحظہ فرمایئے

عمران سیریز



اظہر کلیم

حصّہ دوم چھپ کر تیار ہے ۔

فوری طلب فرمائیں ۔

عمران دی ایکسٹو سیریز

گیپ لورٹر

II

مظہر کلیم



شاہین لائبریری

ناول

• ناشر
محمد شاہجہان ،

• پرنٹرز
زاہد بشیر ،

• قیمت — ۱۲/ [redacted] روپے

• تعداد — ایک ہزار ،

روبی پبلی کیشنز راجپوت مارکیٹ اُردو بازار
لاہور ۲ ،،

سسپنس ، ایکشن ، ایڈونچر

گیبی پوڈر

مظہر کلیم ایم اے

روبی پبلی کیشنز راجپوت مارکیٹ اُردو بازار
لاہور ،

خاص نمبر

سلور حویلی

درندہ

ظہیر کلیم

عنقریب شائع ہو رہا ہے

عمران اس وقت پام گروو میں ہی موجود تھا۔ جس وقت صفدر کاؤنٹر پر کھڑا تھا۔ وہ اس کے سامنے ہی ایک میز پر بیٹھا ہوا تھا۔

صفدر نے کئی بار اس کی طرف دیکھا بھی ہو گا لیکن اسے پہچان نہ سکا۔

وہ اس وقت ایک ادھیڑ عمر جھکی سے پروفیسر کے میک اپ میں تھا اور وہ سہ شام ہی پام گروو میں آ گیا تھا۔

مسٹر صدیقی کا قتل جس پر اسرار انداز میں ہوا تھا۔ اس سے عمران نے اپنی تفتیش کا آغاز پام گروو سے ہی کرنے کا ارادہ کیا۔

صبح سے وہ کئی مرتبہ کئی قسم کے میک اپ کر کے ہوٹل میں آیا تھا اور پھر اس کی حساس ناک نے چند باتیں سونگھ ہی لیں۔

اس وقت وہ غیر حاضر دماغ پروفیسر کے میک اپ میں کسی اداس الو کی طرح بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے کھانے کے برتن سجے ہوئے تھے۔ لیکن وہ نہ جانے کون سی گتھی کو سلجھانے میں مصروف تھا۔

اسی طرح بے خیالی میں اس نے روٹی کا ایک ٹکڑا توڑا اور ایش ٹرے میں ڈبو کر کان کی طرف لے گیا۔

اور پھر وہ بھڑک کر اٹھ گیا۔

ابے او الو کے پٹھو! وہ اتنی زور سے چیخا کہ پورے ہال کے لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور خود اس کے گلے میں خراش پڑ گئی

ویٹر بھاگا بھاگا اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ کیا بات ہے جناب!

کباب! ابے یہ کباب ہیں، عمران چونک کر اس کی طرف مڑا۔

کباب نہیں، میں نے جناب کہا تھا۔ ویٹر نے جلدی سے تصحیح پیش کر دی۔

پیشاب۔ لاحول ولا قوۃ۔ عمران نے سالن کا ڈونگا پوری قوت سے ویٹر کے سر پر دے مارا۔ بے چارہ ویٹر چکرا کر پیچھے کی طرف گرا۔

شوربہ اس کی آنکھوں میں پڑ گیا۔ اور وہ مارے جلن کے چیخنے لگا۔

عمران دھاڑتا ہوا، کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔

کہاں ہے یہ مینجر کا بچہ۔ میں سارے عملے کو شوٹ کر دوں گا۔

کاؤنٹر پر کھڑا ہوا گرانڈیل بارٹینڈر تیزی سے اس کی راہ میں حائل ہو گیا۔ ورنہ عمران کاؤنٹر کے عقبی دروازے میں ہی گھس گیا ہوتا۔

ہٹ جاؤ میرے راستے سے۔ میں مینجر سے ملنا چاہتا ہوں۔ دیکھئے آپ تشریف رکھیئے، میں انہیں بلاتا ہوں۔

ایں! کیا تم باتے ہو۔ عمران نے ناک پر عینک کو درست کرتے ہوئے اسے للکارا۔ جواباً بارٹینڈر نے اسے بازو سے پکڑ کر ایک سیٹ کی طرف

دھکیلا۔ تشریف رکھیں۔

ایسی کی تیسی شرافت کی۔ عمران بدستور سینے میں اکڑا رہا۔ میں کہتا ہوں تم سب کو شوٹ کر دوں گا۔

آخر بات کیا ہے جناب؟ ایک شریف آدمی نے عمران کے کان میں چیخ کر پوچھا۔

کان میں کیوں گھسے جا رہے ہو؟ انہوں نے مجھے سگرٹوں کا شوربہ دیا ہے۔ عمران نے ایک بے ساختہ ابکائی روکنے کی کوشش کرتے ہوئے غرا کر جواب دیا

سگرٹوں کا شوربہ۔ کئی آدمی بیک آواز بول اٹھے۔

میں کہتا ہوں مجھے مینجر کے کمرے میں جانے دو۔ عمران یہ کہہ کر اٹھا اور اتنی پھرتی سے گرانڈیل بارٹینڈر کی ٹانگوں میں سے نکل کر کاؤنٹر کے عقب میں پہنچ گیا۔ کہ وہ فرش پر اسے ٹٹولتا ہی رہ گیا۔

اس سے قبل کہ کوئی اور اسے روکتا۔ وہ دروازہ دھکیل کر اندر گھس گیا اندر آ کر اس نے دروازہ بولٹ کر لیا۔

آفس خالی پڑا تھا۔ اور یہ بات عمران کے اندازے کے عین مطابق تھی۔ لوریٹا اس کی نگاہوں کے سامنے ہی دفتر سے نکل کر کہیں گیا تھا۔ دروازے پر گھونسے برسنے کی آوازیں آنے لگیں۔

عمران اطمینان سے آفس کی تلاشی لینے میں مصروف ہو گیا۔ آفس میں ایک

طرف الماری تھی، جو اس وقت مقفل تھی۔

عمران نے ماسٹر کی سے لاک کھولا اور الماری کے پٹ کھول دیئے۔

الماری میں غیر ملکی شراب کی بوتلیں ترتیب سے لگی ہوئی تھیں۔ عمران نے برا سا منہ بنایا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر الماری کے پٹ بند کر ہی دیئے ہوتے کہ اس کی نگاہ ایک بوتل پر پڑی۔

یہ بوتل قطار میں کچھ آگے کی طرف بڑھی ہوئی تھی۔

عمران نے اس بوتل کو اٹھا لیا، بوتل اٹھاتے ہی ایک طاقتور سپرنگ دکھائی دیا۔ عمران نے اس سپرنگ کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

سپرنگ کھنچتا چلا گیا۔ اور ساتھ ہی شراب کی بوتلوں سے بھرے ہوئے ایک الماری کے فریم میں گھوم گئے۔

اس طرح دو طرفہ راستہ بن گیا۔ عمران نے اندر جھانک کر دیکھا۔

الماری کی دوسری طرف ایک تہہ خانے کی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ اور اس خفیہ تہہ خانے سے کچھ لوگوں کے بات چیت کرنے کی ہلکی ہلکی آوازیں آرہی تھیں۔ باہر شور بڑھ گیا تھا۔

دروازے پر گھونسے بازی کا باقاعدہ مقابلہ شروع ہو گیا تھا۔ ساتھ ہی اونچے لہجے میں دھمکیاں بھی دی جا رہی تھیں۔

عمران نے محسوس کر لیا کہ ابھی چند لمحوں بعد دروازے کو توڑ دیا جائیگا۔

اس نے جلدی سے الماری کو حسب سابق بند کر کے لاک کر دیا۔

اچانک اس کی نگاہ میز پر رکھے ہوئے ایک پیڈ پر پڑی۔

پیڈ کے بالائی صفحے پر ہلکے ہلکے حروف دکھائی دے رہے تھے، شاید اس سے اوپر والے کاغذ پر خوب دبا کر لکھا گیا تھا۔

عمران نے اس پیپر کو پھاڑ کر جیب میں ڈال لیا اور دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ دروازے پر اب باقاعدہ دباؤ ڈالا جا رہا تھا۔

اچانک عمران نے اپنے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکالی اور دوسرے ہی لمحے وہ لہرا کر فرش پر گرا۔ اور بے ہوش ہو گیا۔

عمران کی چیخ نے باہر کھڑے ہوئے لوگوں کو بالکل ہی بوکھلا دیا۔ دوسرے ہی لمحے دروازے پر دو ایک شدید چوٹیں پڑیں۔ اور دروازے کے پٹ کھل گئے۔ دروازے کے فریم میں سب سے آگے گرانڈیل بارٹینڈر ہی کھڑا تھا۔ اس کا سانس پھول رہا تھا۔ اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ عمران کو فرش پر بے ہوش پڑے دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے جلدی ہی دروازے کو دھکیل کر بند کر دیا۔

باہر ویٹر لوگوں کے اس طوفان کو سنبھالنے لگے جو آفس پر امڈ آیا تھا۔

آپ حضرات اطمینان سے تشریف رکھیں، آخر یہ کیا ہنگامہ ہے؟ ایک آواز سنائی دی اور لوگوں نے چونک کر دیکھا۔

یہ ہام گرد کا منیجر ہی تھا۔ وہ اس وقت شاید کہیں باہر سے آرہا تھا۔ یہ کیا غنڈہ گردی ہے؟ اب یہ ہوٹل شریف آدمیوں کے بیٹھنے کے قابل نہیں رہا۔ لوگوں کے ہجوم میں سے ایک بھڑک کر بولا۔

قتل و غارت تو ہو چکی۔ اب شریفوں کی پٹائی بھی ہونے لگی۔

کس کی پٹائی ہوئی ہے؟ منیجر نے انکشاف کرنے والے سے پوچھا۔

آفس میں جا کر ملاحظہ فرمائیے۔ وہ شخص غرایا۔

جواباً منیجر نے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھولو۔ دروازہ کھل گیا۔

منیجر اندر چلا گیا۔ چند اور لوگوں نے بھی اس کے ساتھ ہی اندر گھسنے کی کوشش کی۔ لیکن کامیاب نہیں ہو سکے۔

دروازہ فوراً ہی بند ہو گیا تھا۔

یہ کیا حرکت ہے۔ منیجر بارٹینڈر کی طرف دیکھ کر غرایا۔

جواباً بارٹینڈر نے ہکلا ہکلا کر سارے حالات تفصیل سے سنائے۔

عمران اس وقت بھی فرش پر بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

اس کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے۔ جیسے کسی نے اس کی کنپٹی پر ایک جچا تلا ہاتھ رسید کر دیا ہو۔

جاؤ پولیس کو فون کرو۔ منیجر غرایا۔ تم لوگ ضرور کسی مصیبت کو دعوت

ے رہے ہو۔ جلدی جاؤ۔

بارٹینڈر نے کاؤنٹر پر جا کر ریسیور اٹھایا۔ اور پولیس اسٹیشن کے نمبر ل کرنے لگا۔ اس نے سلسلہ ملا کر پولیس کو ہوٹل میں ہونے والے ہنگامے ی اطلاع دی۔

لوگوں نے جب دیکھا کہ انتظامیہ نے واقعی پولیس کو بلا لیا ہے، مطمئن ہو کر اپنی اپنی میزوں کی طرف بڑھنے لگے۔

چند ایک جو کچھ زیادہ ہی محتاط واقع ہوئے تھے۔ انہوں نے چپکے سے ک لینے میں عافیت سمجھی۔

بیس منٹ بعد ایک انسپکٹر چند سپاہیوں کے ساتھ پہنچ گیا۔ وقت تک عمران بھی ہوش میں آچکا تھا۔ اور اب وہ ایک کرسی پر یہ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کہ اسے اس کے بیڈروم سے لایا تھا؟

مجھے حیرت ہے منیجر۔ میں پوچھتا ہوں، مجھے یہاں کون لایا ہے؟

آپ خود ہی تشریف لائے تھے جناب!

حیرت ہے۔ حیرت ہے! عمران بڑبڑانے لگا۔

منیجر نے انسپکٹر کو جملہ حالات سے آگاہ کر دیا۔ اب انسپکٹر عمران کو ں میں مصروف تھا۔ آپ کی تعریف؟

جتنی جی چاہے تعریف کریں۔ ہم قطعاً برا نہیں مانتے۔ عمران نے شرما
جواب دیا۔

میں نے آپ کے بارے میں پوچھا تھا، کہ آپ کون ہیں؟ انسپکٹر
عمران کے بے ساختہ جواب پر کھسیا گیا۔

پروفیسر مجبور خاں چوپچ۔ عمران نے چشمہ درست کرتے ہوئے اک
کر جواب دیا۔

چوپخ۔ انسپکٹر نے پہلے تو حیرت کا عمران کا مکرر جائزہ لیا پھر یک
اس کا چہرہ غیض و غضب سے تمتما اٹھا۔

آپ پولیس اسٹیشن پر چل کر اپنی صفائی پیش کریں۔

اسٹیشن پر جا کر صفائی کروں۔ عمران نے چونک کر انسپکٹر کی طرف
دیکھا۔ یہ پروفیسر مجبور خان چوپخ کی بے عزتی ہے۔ میں پولیس کے محکمے کو
کر دوں گا۔ اس کی آنکھوں میں یکدم جیسے خون اتر آیا۔ چہرہ مارے غص
تمتما اٹھا۔ پیشانی اور رخساروں کی مصنوعی جھریاں کانپ گئیں
اپنے محکمے کے ایس پی کو فون پر بلا کر جاؤ۔ عمران کی غراہٹ اس قد
خوفناک اور تحکمانہ تھی۔ کہ انسپکٹر کے چہرے پر تذبذب کے آثار پیدا ہو

جاؤ۔ فوراً فون کرو۔ عمران نے دوبارہ غرا کر کہا۔

انسپکٹر کے تیور قدرے ڈھیلے پڑ گئے۔ دیکھئے بہتر ہوگا، کہ معاملہ یہ

جائے۔ اس مرتبہ اس نے اونچی آواز میں کہا تھا۔ شاید اسے عمران کے
رے پن کا احساس ہو گیا تھا۔

ہر معاملے میں صفائی، ارے مجھے یاد آگیا۔ یہاں مجھے سگریٹوں کا
ڈبہ سپلائی کیا گیا تھا۔

کچھ لوگوں نے آپ کو ایش ٹرے میں لقمہ لگاتے دیکھا تھا۔

تم پروفیسر چوپخ کی توہین کر رہے ہو انسپکٹر۔

آپ نے ایک ویٹر کا سر پھاڑ دیا ہے اور ہوٹل میں ہنگامہ کرنے کے
ہ آپ پر آفس میں زبردستی گھسنے کا الزام بھی عاید ہوتا ہے۔ انسپکٹر
دوبارہ اپنی افسرانہ گھن گرج کے مظاہرے پر اتر آیا۔

میں تو اس ہوٹل کے پورے عملے کو گولی مار دیتا۔ عمران دوبارہ بیٹھتے سے
گیا۔ انسپکٹر صاحب آپ اپنے فرائض سے کوتاہی برت رہے ہیں۔ منیجر
ی مرتبہ انسپکٹر کو احساس ذمہ داری دلایا۔ براہ کرم آپ ہمارے
تھ پولیس اسٹیشن تک چلیں۔ انسپکٹر نے عمران سے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

چلو اگر میں نے وہاں دھوبی گھاٹ نہ بنا دیا تو۔ عمران غرا کر اٹھا۔

انسپکٹر عمران کو لے کر باہر نکل آیا۔ شاید لوگ یہ سمجھ کر خاموش ہو گئے
ے کہ اس بوڑھے پروفیسر اور ہوٹل کی انتظامیہ میں مفاہمت ہو گئی ہے۔

انسپکٹر عمران کو لے کر جیپ میں سوار ہوا اور جیپ تیز رفتاری سے

متعلقہ پولیس اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئی۔
پولیس اسٹیشن پہنچ کر عمران اک شانِ بے نیازی سے نیچے اترا اور
سیدھا رپورٹنگ آفس میں جا گھسا۔ اندر پہنچ کر اس نے جلدی سے ریسیور
اٹھا لیا۔ اور فیاض کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ چند لمحوں بعد دوسری طرف سے
فیاض کی آواز سنائی دی۔ میں فیاض بول رہا ہوں۔
تمہاری فیاضی کے قصے سن سن کر کان پک گئے ہیں۔
آہا۔ تو یہ آپ ہیں۔ دوسری طرف سے فیاض چہکا۔
ہاں میں ہی ہوں۔ اور اس وقت میں تمہاری سسرال میں بیٹھا ہوں۔
کیا بکتے ہو۔ فیاض نے ذرا سی خفگی کا مظاہرہ کیا۔
تھانہ سول لائینز اور کیا ہے؟ جواباً عمران کی آواز بھی کچھ کم نہ تھی۔
اوہ کیا بات ہے؟ انسپکٹر صاحب کو بتلاؤ۔ پروفیسر مجبور خان چونچ
غصے میں کس قدر خوفناک ہو جاتا ہے۔ عمران نے ریسیور کو آنکھ مارتے
ہوئے کہا۔ چکر کیا ہے؟ فیاض کی آواز الجھن آمیز تھی۔
اچھا اچھا۔ میں ریسیور انسپکٹر کو دے رہا ہوں۔ عمران نے یہ کہہ کر ریسیور
انسپکٹر کے ہاتھ میں تھما دیا۔
انسپکٹر نے ریسیور ہاتھ میں لیا۔ اور اپنا تعارف پیش کیا۔
دوسری طرف سے فیاض نے شاید اس سے تفصیلات بیان کرنے کو کہا

تھا۔ انسپکٹر نے ہوٹل میں پیش آنے والا واقعہ تفصیل سے سنا دیا۔
کچھ دیر کے بعد اس نے دوبارہ ریسیور عمران کے ہاتھ میں دے دیا۔
تم بام گردو میں منیجر کے کمرے میں کیوں گھسے تھے؟
میں نے سنا ہے اس کے پاس ایک بکری ہے۔ میں اس کے سری
پایوں کا سودا کرنا چاہتا تھا۔ عمران نے انسپکٹر کو آنکھ مارتے ہوئے جواب دیا۔
انسپکٹر بوکھلا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔
کیا تمہیں ہوٹل کی انتظامیہ کسی پر شبہ ہے۔؟
کس بات کا شبہ؟ عمران چونک کر بولا۔
مسٹر صدیقی کے مرڈر کیس کے سلسلے میں!
فکر نہ کرو۔ بہت جلد تمہیں پورے محکمے میں دوائی۔ آئی ایم سوری مٹھائی
بانٹنی پڑے گی۔ تم نے کیا سمجھ رکھا ہے۔ پروفیسر چونچ کو۔
اوہ عمران میں کس منہ سے تمہارا شکریہ ادا کروں۔
جس منہ سے مجھے گالیاں دیتے ہو!
ارے لاحول ولا۔ تم تو جانتے ہی ہو میں دل سے کبھی گالیاں نہیں نکالتا۔
ہاں! یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ تم اپنی سرکاری زبان استعمال کرتے ہو۔
اچھا آج شام کو ملو۔ شاید رحمٰن صاحب کا بلاوا آ گیا ہے، گھنٹی بج رہی ہے
فیاض نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ اور عمران نے فون بند کر کے باقاعدہ

اونگھنا شروع کر دیا۔

اب آپ جا سکتے ہیں جناب مجھے افسوس ہے میں نے آپ کو تکلیف دی۔ انسپکٹر نے عمران کے کان میں جھک کر کہا۔

عمران بوکھلا گیا۔ اور چند لمحے انسپکٹر کو گھورنے کے بعد اٹھ گیا۔

براہ کرم ایک روپیہ بیس پیسے عنایت کر کے شکریہ کا موقع دیں۔ عمران نے آہستگی کے ساتھ انسپکٹر کو کہا۔ اور انسپکٹر کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں عمران کو دیکھنے لگا۔

میں آپ کی بات نہیں سمجھا۔

اگر میں نے کچھ دینے کا کہا ہوتا، تو فوراً سمجھ لیتے۔ یہاں ٹیکسی کا کرایہ نہیں ادا کرو گے۔ عمران نے آنکھیں نکالیں۔ ایس پی صاحب نے کہا تھا، تم سے لے لوں۔

انسپکٹر نے بوکھلائے ہوئے انداز میں پرس سے نکال کر ایک پانچ کا نوٹ عمران کی طرف بڑھا دیا۔

کیا کیا۔ تو گویا تم مجھے یعنی پروفیسر جوزف کو کیا سمجھتے ہو؟

ہیں۔ عمران انسپکٹر کو گھونسہ دکھاتا ہوا بکتا جھکتا، آفس سے باہر نکل گیا۔ اور انسپکٹر سر پکڑ کر کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔

⁂



رات کی تاریکی میں ہیڈ لائٹ بجھائے ایک ہاتھ سے بیہوش آدمی کو سنبھالنے اور دوسرے ہاتھ سے موٹر سائیکل کا ہینڈل پکڑے صفدر ممکن تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتا ہوا شہر کی طرف اڑا جا رہا تھا۔

وہ اپنی اس کامیابی پر حد درجہ مسرور تھا۔

اس وقت وہ ساحلی عمارت سے تین میل کے فاصلے پر تھا۔ سڑک کا یہ حصہ دونوں طرف سے جھاڑیوں سے اٹا ہوا تھا۔

اچانک نشیب سے ایک گولی سنسناتی ہوئی آئی۔ اور صفدر کی فلیٹ ہیٹ کو چھوتی ہوئی گزر گئی۔ صفدر نے بے ہوش آدمی پر سے ہاتھ اٹھا لیا اور رفتار مزید تیز کر دی۔

اس قدر اچانک گھیراؤ کی اسے توقع بھی نہیں تھی۔

ابھی اس نے ایک فرلانگ کا فاصلہ ہی طے کیا ہو گا، کہ اسے سامنے سے آتی ہوئی ایک کار کی ہیڈ لائیٹس دکھائی دیں۔

اسی وقت عقبی منظر دکھانے والے آئینے میں دو اور بتیاں چمکتی دکھائی دیں۔ یہ سچویشن صفدر کے لئے از حد خطرناک تھی۔

اسے دو ایک لمحوں میں ہی اپنے لئے لائحہ عمل طے کرنا تھا۔

صفدر نے دائیں بائیں دیکھا اور دوسرے ہی لمحے وہ موٹر سائیکل لے کر نشیب میں اتر گیا۔ سڑک سے اترتے ہی موٹر سائیکل خاردار جھاڑیوں میں گھس گئی۔

اس نے پوری قوت سے فٹ بریک دبائی۔ لیکن جس تیزی سے موٹر سائیکل جھاڑیوں میں گھس گئی تھی۔ اس سے   کے کپڑے چیتھڑے چیتھڑے ہو گئے۔

چہرے اور جسم کے کئی حصوں پر گہری خراشیں آئیں۔

ہینڈل ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

بے ہوش آدمی جھاڑی میں گر گیا۔ ہینڈل ہاتھ سے نکل جانے کی وجہ سے موٹر سائیکل پیچھے سے کھسک گئی۔ اور جھاڑیوں میں سے نکلتی چلی گئی۔

صفدر نے ریوالور نکالنے میں بڑی پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا۔

گولیوں کی آوازیں مسلسل سنائی دے رہی تھیں۔ صفدر نے اب وہاں رکنا بے کار خیال کیا۔ اسے اس وقت ایکسٹو کا حکم یاد آ رہا تھا۔

ایکسٹو نے اسے مداخلت کرنے سے باز رہنے کا حکم دیا تھا۔ اور اب صفدر یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اس نے اس شخص کو وہاں سے اٹھا لانے میں واقعی غلطی کی تھی۔

سڑک پر اس جگہ دونوں کاریں ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ کر رک گئیں۔ نہ جانے کیوں ہیڈ لائیٹس نہیں بجھائی گئیں۔

نشیب میں کئی آدمیوں کے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

صفدر نے سوچا اب اس جھاڑی میں چھپے رہنے سے کوئی فائدہ نہیں لیکن اب وہ اس بے ہوش آدمی کو بھی وہاں چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔

اس نے سڑک پر کھڑی ہوئی کاروں کی طرف دیکھا۔

کاروں سے چار آدمی اترے۔ الٹے ہاتھ کی کار میں سے صرف ایک آدمی نکلا۔ صفدر نے غور سے دیکھا یہ وہی آدمی تھا۔ جس کا وہ تعاقب کرتا ہوا آیا تھا۔

وہ حیران تھا کہ ان لوگوں کو اس کے بارے میں اتنی جلدی کیسے معلوم ہو گیا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس سڑک پر گزرنے والے ہر آدمی کو چیک کیا جاتا ہو۔ لیکن اگر ایسا ہوتا تو اس کا ساحلی عمارت تک پہنچنا ہی مشکل ہو جاتا۔

ادھر ہی گیا ہے۔ صفدر نے سڑک پر کسی کو کہتے سنا۔

تم نے ادھر کا کیوں خیال نہیں رکھا۔ ایک تحکمانہ آواز سنائی دی۔

اب کیا معلوم تھا جناب! کہ وہ نشیب ہی میں کود جائے گا۔

بکومت۔ تحکمانہ لہجہ ذرا اکھڑ گیا۔ تلاش کرو۔

چاروں آدمی ٹامی گنوں سے مسلح تھے۔ حکم ملتے ہی وہ بھی نشیب میں

ہی اتر گئے۔ اچانک ایکس نے سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر ٹامی گن نشیب کی طرف تان لی۔

صفدر نے پھرتی سے بے ہوش آدمی کو اپنے اوپر کر لیا۔ اور خود کو اچھی طرح سے چھپا لیا۔ اب ذرا سی حرکت اس کے جسم میں سینکڑوں روشندان بنانے کے کافی تھی۔

ٹامی گن والے نے ٹامی کا دہانہ کھول دیا۔

ریٹ۔ ریٹ۔ ریٹ کی مسلسل آوازوں کے ساتھ سینکڑوں گولیاں ٹامی گن کے دہانے سے نکلیں اور نشیب کی طرف لپکیں۔

چٹخ۔ ٹک۔ چٹخ۔ چٹخ۔ جھاڑیوں کی موٹی موٹی شاخیں ٹوٹ ٹوٹ چلی گئیں اور گولیوں کی بوچھاڑ صفدر کے اوپر سے گزر گئیں۔

ایک برسٹ اور مارو۔ کسی نے حکم دیا۔ اور ٹامی کا دہانہ بار بار اپنی آتشیں زبان نکال نکال کر ہوا چاٹنے لگا۔

اس مرتبہ صفدر نے اپنی ٹانگ میں ہلکی سی تکلیف محسوس کی۔ شاید کوئی گولی اس کی ٹانگ کو چھوتی ہوئی گزر گئی تھی۔ اور پھر صفدر کے اوپر پڑے ہوئے آدمی میں ہلکی سی لرزش ہوئی۔ صفدر کے جسم پر کوئی سیال تیزی سے گرنے لگا۔

صفدر سمجھ گیا کہ بے ہوش آدمی گولیوں کا شکار ہو گیا ہے۔

وہ خاموشی سے وہیں دبکا رہا۔

اچانک کسی نے ٹارچ روشن کر لی۔ عین اسی وقت صفدر نے دور جھاڑیوں کے پار کئی دوسری روشنیاں رینگتی دیکھیں۔

تو گویا مجھے چاروں طرف سے گھیر کر تلاش کیا جا رہا ہے۔

سڑک پر روشن کی ہوئی ٹارچ اب آہستہ آہستہ گھوم رہی تھی۔ روشنی اتنی تھی کہ نشیب کی جھاڑیاں بآسانی دکھائی دے رہی تھیں۔

صفدر جس جھاڑی میں چھپا بیٹھا تھا، وہ جھاڑی بھی روشنی کی زد میں تھی، اچانک اس نے کمین گاہ سے نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔

یہ فیصلہ اگرچہ انتہائی خطرناک تھا۔ لیکن وہاں چھپے رہ کر چوہوں کی طرح پکڑا جانا بھی اسے پسند نہیں تھا۔ اس نے دھیرے سے اوپر پڑی ہوئی لاش کو الگ ہٹایا۔

اس سے قبل کہ ٹارچ کی روشنی اس جھاڑی پر پڑتی۔ صفدر نے ہاتھ اٹھا کر فائر جھونک مارا۔ ساتھ ہی ایک چیخ سنائی دی۔

ٹارچ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اور ٹارچ والا شخص الٹ کر سڑک پر گرا اور بری طرح تڑپنے لگا۔ بس یہی ایک آدھ لمحہ صفدر کے لئے کام کا تھا۔

وہ چیتے کی سی پھرتی کے ساتھ اٹھا اور جسم پر لگی ہوئی تکلیف دہ خراشوں کی پرواہ کئے بغیر چھلانگ لگا دی۔ جھاڑیوں میں ایک طوفان سا برپا ہو گیا۔

اسی لمحے تین ٹامی گنیں بری طرح قہقہے لگانے لگیں۔ سینکڑوں گولیاں صفدر کے چاروں طرف سے نکل گئیں۔ وہ دھپ سے ایک گہرے کھڈ میں گرا اور لڑھکتا چلا گیا۔ کھڈ میں گرتے ہی اس نے تھوڑا سا اٹھ کر جائزہ لیا۔ صرف مشرقی حصہ ہی ایسا تھا جس طرف کوئی روشنی نہیں تھی۔ وہ تیزی سے ادھر ہی رینگنے لگا۔

بقیہ تینوں طرف سے اندازے سے ہی فائرنگ ہو رہی تھی۔ صفدر نے اب مزید فائر کرنے سے اس لئے پرہیز کیا کہ اس طرح کی پوزیشن معلوم ہو جاتی۔

اب تک اس کے کپڑے تار تار ہو چکے تھے۔ ٹانگوں دونوں بازوؤں اور چہرے پر بے شمار خراشیں تھیں۔ لیکن اس وقت اس پر نکل جانے کا بھوت سوار تھا۔

اچانک چاروں طرف مکمل خاموشی چھا گئی۔ البتہ ٹارچوں کی روشنی چاروں طرف منڈلاتی رہی صفدر رکا نہیں۔ وہ سمجھ گیا کہ فائرنگ صرف اس کی پوزیشن معلوم کرنے کے لئے ہی بند ہوئی ہے۔ اس نے ریوالور منہ میں دبا رکھا تھا۔ اور وہ سانپ کی سی تیزی کے ساتھ مسلسل رینگتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

آدھ گھنٹے تک مسلسل رینگتے رینگتے وہ بری طرح ہانپ گیا۔ اور

پھر وہ سانس لینے کے لئے رک گیا۔ اگرچہ خاصی سرد رات تھی۔ پھر بھی مارے پسینے کے اس کا سارا جسم شرابور تھا۔ کچھ دم لے کر وہ پھر کہنیوں کے بل آگے کی طرف گھسٹنے لگا۔ جب اسے اطمینان ہو گیا کہ وہ اب۔۔۔۔ تلاش کرنے والوں کی پہنچ سے بہت دور نکل آیا ہے تو وہ کھڑا ہو گیا۔

اس کا پورا جسم جل رہا تھا۔ خراشیں ہی خراشیں۔ سینہ بری طرح چھل گیا تھا۔ لیکن ابھی اس کا ستارہ گردش میں ہی تھا۔

نہ جانے کب کدھر سے کوئی گولی اس کے بھیجے میں آگھسی۔ وہ تیزی سے اٹھ کر بھاگ نکلا۔ اس وقت اتفاق سے وہ ایسی جگہ پہنچ گیا تھا۔ جہاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں تھیں۔

زمین چونکہ ہموار تھی۔ اس لئے اسے بھاگنے میں کوئی دقت نہیں ہو رہی تھی۔ وہ مسلسل بھاگتا رہا۔ بیس منٹ بعد اس کی ٹانگیں جواب دے گئیں۔ وہ لڑکھڑا کر گرا۔ اور دوبارہ اپنی ٹانگوں پر نہ کھڑا ہو سکا۔

ایسے میں مجبوراً وہیں بیٹھ کر ہانپنے کے سوا چارہ ہی کیا تھا۔

اچانک اسے خیال آیا کہ وہ شہر سے کئی میل دور ہے اس طرح تو وہ رات بھر بھی پیدل چل کر شہر نہیں پہنچ سکتا۔ پھر وہاں چلنے کی ہمت ہی کس میں تھی۔

دفعتہً اس کے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا کہ وہ کسی طرح سڑک پر

پہنچ جائے۔ سڑک کے قریب چھپے رہنے سے کسی نہ کسی سواری کا بندوبست ہوسکتا تھا۔

اس خیال نے اس کے تھکن سے چور جسم میں دوبارہ جان ڈالدی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے زور لگاکر کھڑا ہوگیا۔

ذرا دیر وہ یں ادھر اُدھر جھولتا رہا۔ جیسے بہت زیادہ چڑھ گئی ہو۔ پھر وہ لڑکھڑاتا ہوا سڑک کی طرف بڑھ گیا۔

چاروں طرف سیاہی کا سمندر تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجائی نہیں دے رہا تھا۔

ٹارچ اس کی جیب سے نکل کر نہ جانے کہاں گر چکی تھی۔

اندھیرے کی وجہ سے وہ کئی بار چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں میں الجھ کر گرجاتا اور اس طرح کئی مرتبہ اس کی پیشانی زمین سے ٹکرائی۔ اور بری طرح زخمی ہوگئی۔

اس نے ہمت نہ ہاری۔

پندرہ منٹ بعد اس کے قدم سڑک پر پہنچ گئے۔ اس لمحے اس کی نگاہ اپنے دائیں ہاتھ پڑی اور وہ چونک پڑا۔

دور سے کسی گاڑی کی ہیڈ لائیٹس دکھائی دے رہی تھیں۔

ایک منٹ کے دسویں حصے میں ایک خیال اس کے ذہن میں آیا۔ اور اس نے خود کو عملی طور پر تیار کرلیا۔

دوسرے ہی لمحے وہ سڑک کے عین درمیان میں اس طرح گر گیا جیسے

کوئی لاش پڑی ہو۔

کار لمحہ بہ لمحہ قریب آتی جارہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ روشنی میں نہا گیا۔

صفدر نے ایک آنکھ میں جھری پیدا کرلی۔ کار اس سے کچھ ہی فاصلے پر پہنچ گئی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ کار کی رفتار کم ہو رہی ہے۔

یہ صفدر کی عقلمندی ہی تھی۔ کہ اس نے لیٹنے سے پہلے اپنا ریوالور کچھ فاصلے پر اس طرح پھینک دیا کہ دیکھنے والے کی نگاہ پہلے ریوالور پر ہی پڑتی۔

سڑک کا ذرہ ذرہ کار کی ہیڈ لائیٹس کی وجہ سے روشن ہوگیا۔

کار اس سے کچھ فاصلے پر آکر رک گئی۔

یہ کار ساحل کی طرف سے آئی تھی۔ اس لئے صفدر کو یقین تھا کہ کار میں مجرموں کا ہی کوئی ساتھی ہوگا۔

کار کا دروازہ کھلا۔

صفدر نے آنکھ کی سی معمولی سی جھری سے دیکھا کہ کار سے دو آدمی نیچے اترے ہیں۔ وہ دونوں آہستہ آہستہ صفدر کی طرف بڑھنے لگے۔

ان کے ہاتھوں میں ریوالور صاف دکھائی دے رہے تھے۔ صفدر کو ان کے جرائم پیشہ ہونے کا پورا یقین ہوگیا۔

دونوں آدمی صفدر سے کچھ فاصلے پر رک گئے۔

یہ کون ہو سکتا ہے۔ ایک بولا۔

میرا خیال ہے' یہ وہی ہے جس کے لئے وہاں گھیرا ڈالا گیا تھا۔

نہیں، اتنی دور اور اتنی جلدی وہ یہاں کیسے پہنچ سکتا ہے۔

کیا یہ مر چکا ہے۔؟

شاید یہ بے ہوش ہے۔ دوسرے آدمی نے الجھے الجھے لہجے میں کہا۔

تم ریوالور اٹھا لو۔ میں اسے دیکھتا ہوں۔

صفدر دم سادھے پڑا رہا۔

اگرچہ مارے تھکن کے اس کی بری حالت تھی۔ لیکن اس نے اپنی قوتِ ارادی کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے اعصاب پر قابو پا لیا۔

کار سے اترنے والے دونوں آدمیوں میں سے ایک ریوالور اٹھانے کے لئے جھکا اور دوسرا صفدر کی طرف۔ اچانک صفدر طاقتور سپرنگ کی طرح اچھل پڑا۔

اس کا طاقتور گھونسہ اپنے اوپر جھکنے والے کی ناک پر پڑا اور پاؤں کی زوردار ٹھوکر ریوالور اٹھانے والے کے زیرِ ناف حصے پر۔

دونوں بیک وقت چلائے اور پیچھے الٹ گئے۔

اتنی دیر میں صفدر سنبھل کر کھڑا ہو چکا تھا۔

اس نے بائیں طرف کھڑے ہوئے آدمی کے جبڑے پر ایک اور گھونسہ آزمایا اور پھر وہ دوسرے کی طرف متوجہ ہوا، جو رانوں میں ہاتھ دبائے بری طرح سسکیاں

بھر رہا تھا۔

صفدر نے بڑی بے دردی سے ایک اور ٹھوکر اس کی جڑ میں جمائی، اور وہ چاروں خانے سڑک پر ڈھیر ہو گیا۔

اس سے پہلے کہ پہلا آدمی سنبھل کر حملہ کرتا، صفدر اپنے ریوالور پر قبضہ جما چکا تھا۔ اس نے ریوالور ہاتھ میں آتے ہی بے دریغ فائر کھول دیا۔

دھائیں۔ دھائیں۔ اوپر تلے دو گولیاں پہلے آدمی کی کھوپڑی کو توڑتی ہوئی نکل گئیں۔ صفدر پھرتی سے دوسرے آدمی کی طرف مڑا جو فائرنگ کی آواز سے اپنی تکلیف بھول چکا تھا۔

ٹرچ۔ ٹرچ۔ صفدر نے اوپر تلے دوبارہ ٹریگر دبایا۔ لیکن ریوالور میں تو ایک بھی گولی نہیں تھی۔ صفدر نے خالی ریوالور ہی حملہ آور پر پھینک ماری۔ وہ جھکائی دے کر وار بچا گیا۔

اب وہ ہاتھ پھیلائے صفدر کی طرف بڑھتا چلا آیا۔

صفدر نے ذرا پیچھے ہٹ کر پوری قوت سے اس پر چھلانگ لگائی اور اسے لیتا ہوا سڑک پر آ رہا۔ دونوں بری طرح سڑک پر گرے۔ چونکہ حملہ آور نیچے تھا۔ اس لئے اس کا سر بڑی طرح سڑک سے ٹکرا گیا۔ بیچارے کی کھوپڑی میں کئی روشن ذرے چکرا گئے ہوں گے۔

صفدر نے اٹھنے میں ذرا سی بھی تاخیر نہیں کی۔

وہ جیسے ہی اٹھا، اس کی نگاہ دور سے آتے ہوئے دو روشن دھبوں پر پڑی جو لمحہ بہ لمحہ بڑھتے ہوئے چلے آرہے تھے۔

بلاشبہ یہ کوئی کار ہی تھی۔ جس کی ہیڈ لائیٹس دور سے آتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔ صفدر جتنی دیر تک ادھر متوجہ رہا۔ اتنی دیر میں دوسرا حملہ آور سنبھل چکا تھا۔ جو اس کے سر پر پہنچ گیا۔

اور پھر صفدر اس کے اٹھے ہوئے ہاتھ سے خود کو نہ بچا سکا۔

اس کی گدی پر بڑے زور کا ہاتھ پڑا۔ اور وہ سامنے کھڑی ہوئی کار کے بونٹ سے جا ٹکرایا۔ صفدر نے اپنے حواس پر قابو رکھتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو بونٹ سے ٹکرا دیا۔ ورنہ اس کا ایک آدھ دانت ضرور ٹوٹ جا

دور دکھائی دینے والے روشن دھبے قریب آتے جا رہے تھے۔

صفدر غرا کر پلٹا۔

اس دوران میں حملہ آور جیب میں ہاتھ ڈال کر ریوالور نکال چکا تھا۔ اس سے قبل کہ ریوالور کی سرخ زبان نکل پڑتی۔ صفدر نے بڑی خطرناک کوشش کی۔

وہ بے دھڑک بانہیں پھیلائے حملہ آور سے لپٹ گیا۔

اس کا ایک ہاتھ سختی سے ریوالور والے بازو پر جم گیا۔ اور دوسرے ہاتھ سے حملہ آور کی کمر تھام لی۔

پھر اس نے بائیں ٹانگ کا اڑنگا مارا۔ اور حملہ آور کے ہاتھ سے ریوالور نکل

کر اڑتا ہوا نشیب میں جا گرا۔ اور خود وہ پیٹھ کے بل سڑک پر آ رہا۔

صفدر نے کار کے بونٹ سے ٹکراتے وقت ہی محسوس کر لیا تھا، کہ کار کا انجن بند نہیں کیا گیا۔ وہ پھرتی سے دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

اگلے ہی لمحے گاڑی گیئر میں ڈال کر اس نے پوری طاقت سے ایکسیلیٹر دبا دیا۔ کار کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح آگے بڑھی۔

سڑک پر گرنے والا دوسرا حملہ آور ابھی سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا۔ کہ کار اس کے سر پر پہنچ گئی۔

اس نے کار کو تیز رفتاری سے اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو خوف کی ایک چیخ اس کے حلق سے نکل گئی۔ اس نے دائیں طرف نشیب میں چھلانگ لگائی۔ لیکن اسے بہت دیر ہو چکی تھی۔

کار کے اگلے وہیل اس کی کھوپڑی پر سے گزر گئے۔ اور وہ چیخ بھی نہ سکا۔ ادھر صفدر پر تو ایک دیوانگی سوار تھی۔ وہ آندھی اور طوفان کی طرح کار کو بھگانے میں مصروف تھا۔

بیک مرر میں دیکھا۔

تعاقب میں آنے والی کار بہت پیچھے رہ گئی تھی۔ البتہ ہیڈ لائیٹس کی چمک آئینے میں یوں دکھائی دی، جیسے اندھیری رات میں دو جگنو چمک رہے

ہوں۔ کار ہوا کے دوش پر سوار اڑی جا رہی تھی۔

آدھ گھنٹے بعد وہ شہر میں داخل ہو گیا۔

رات نصف سے زیادہ گزر چکی تھی۔ اس لئے سڑکیں سنسان تھیں۔

صفدر اپنی سابقہ رفتار سے کار ڈرائیو کرتا ہوا ایک پبلک بوتھ تک پہنچا۔ کار کے فل بریک لگائے۔ اور تیزی سے بوتھ میں جا گھسا۔

دوسرے ہی لمحے وہ سکے مشین میں گرا کر ایکسٹو کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

گھنٹی بجتی رہی۔ لیکن کسی نے فون اٹینڈ نہیں کیا۔

تین منٹ بعد دوسری طرف سے ایکسٹو کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

اتنی دیر۔ ایکسٹو کا لہجہ بے انتہا سرد تھا۔

میں معافی چاہتا ہوں جناب۔ دراصل حالات غیر متوقع طور پر بگڑ گئے

تمہیں کسی کام میں مداخلت نہ کرنے کا کہا گیا تھا۔ ایکسٹو کا لہجہ مزید سخت ہو گیا۔

جواباً صفدر نے جلد حالات مختصراً سنا ڈالے۔ اس دوران میں کہیں کہیں ایکسٹو کی ہوں۔ ہاں سنائی دیتی رہی۔

صفدر نے رپورٹ مکمل کی، تو ایکسٹو نے نسبتاً نرم لہجے میں کہا۔ میرا خیال ہے تمہیں خود ہی کافی سزا مل گئی ہے۔ اب تم خاموشی سے اپنے فلیٹ

چلے جاؤ اور باقی ممبروں سے دور رہو۔

یس سر۔ صفدر نے مردہ سے لہجے میں جواب دیا۔ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ صفدر نے ریسیور ہک میں لٹکا دیا۔ اور جیسے ہی وہ بوتھ سے نکلا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی کھوپڑی دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔

سر میں پڑنے والی ضرب اتنی شدید تھی۔ کہ وہ کٹے ہوئے شہتیر کی طرح زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

٭

اب عمران کے سامنے صرف ہوٹل پام گرو کا وہ خفیہ تہہ خانہ اور وہ پراسرار آدمی جو خود کو ہمیشہ چھپائے پھرتا تھا۔

محکمہ خارجہ کے ریکارڈ آفس انچارج مسٹر صدیقی کے مرڈر کیس کی وجہ بھی سردست پردے میں ہی تھی۔

انڈے میں تباہ کن گیس کے وائرس کی موجودگی مجرموں کے ترقی یافتہ ہونے کی دلیل تھی۔ سابقہ مجرموں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس کے واپس آجانے کے امکانات ہوں۔

گابی اگرچہ خطرناک اور تخریبی ذہنیت کا سائنسدان تھا۔ لیکن شوگی کے ہاتھوں گاف رینز کے دائرے میں فنا ہو گیا۔

مندریگیہ ... خود اپنے ہی جزیرے میں غرق ہو چکا تھا۔ رہا کیبرا شولا۔ تو عمران نے اسے خود اپنے ہاتھوں سے موت کے منہ میں پہنچا دیا۔

تو اس مرتبہ کسی نئے مجرم نے ہی ادھر کا رخ کیا ہے۔ عمران نے سوچا اور پھر اس کا ذہن پراسرار آدمی میں الجھ کر رہ گیا۔ عمران نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا تھا۔ تو اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے وہ لوہے کا بنا ہوا ہے۔

شبیر کی جب موت آتی ہے تو وہ گیدڑ کی طرف بھاگتا ہے۔

لاحول ولا قوۃ، عمران نے بڑبڑا کر خود ہی اپنا سر ٹٹولنا شروع کر دیا۔

صفدر نے اپنی رپورٹ میں جس لڑکی کا حلیہ عمران کو بتایا تھا۔ عمران کے ذہن میں اس حلیے کی لڑکی محفوظ تھی۔ لیکن وہ کون تھی ؟ عمران کی سمجھ میں نہ آسکا۔

وہ لڑکی اس پراسرار آدمی کے پاس کیوں گئی تھی ؟

ان کے درمیان کیا گفتگو ہوئی ؟

یہ سب باتیں صفدر معلوم نہیں کر سکا تھا۔

وہ اس وقت سمرسٹ اسٹریٹ سے گزر رہا تھا۔ دونوں ہاتھ جیبوں میں ٹھونسے وہ یوں کپکپاتا ہوا چل رہا تھا جیسے برف باری کے بعد ہوا چل پڑی ہو۔ راہ گیر اسے دیکھ دیکھ کر مسکراتے ہوئے جا رہے تھے۔ لیکن عمران کو اپنی حماقتوں سے فرصت ہو تو وہ ایسی باتوں پر نگاہ بھی رکھے۔

اچانک اس کی نگاہ فیاض پر پڑی اور وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔

کم از کم فیاض سے اسے ایسی امید نہ تھی کہ وہ اپنی موٹر سائیکل سڑک کے کنارے روک کر کسی کار کا انجن درست کر رہا ہوگا۔

کار کا بونٹ اٹھا ہوا تھا۔ اور فیاض کی نگاہیں انجن کا جائزہ لے رہی تھیں پاس ہی ایک خوب صورت سی لڑکی کھڑی تھی۔

لڑکی اس وقت بے تابی سے فیاض کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جواب آستین چڑھائے انجن سے دو دو ہاتھ کرنے پر تیار تھا۔

عمران اچھی طرح سے جانتا تھا کہ فیاض کے آباؤ اجداد تک میں کوئی موٹر مکینک نہیں ہو گزرا۔ پھر فیاض بھلا کیا خاک جانتا ہوگا۔

فیاض نے کام شروع کیا تو لڑکی اسے متشکرانہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ عمران دھیرے دھیرے سیٹی بجاتا ہوا ان کے قریب جا پہنچا۔

اس نے ایک نظر لڑکی کی طرف دیکھا اور پھر اس کے ہونٹ سیٹی بجانے والے انداز میں سکڑ گئے۔ آواز البتہ نہیں نکلی۔

لڑکی وہی تھی جس کا حلیہ صفدر نے رات اپنی رپورٹ میں بتایا تھا۔

عمران کے چہرے پر ازلی حماقتوں کے دَل کے دَل اُمڈ آئے۔ وہ خاموشی سے فیاض کے عقب میں جا کھڑا ہوا۔

فیاض جھکا ہوا انجن پر تھا لیکن وہ کنکھیوں سے لڑکی کے حسین چہرے میں کھویا ہوا تھا۔ اس طرح تو موٹر ایجاد کرنے والے خود بھی نقص تلاش نہیں کر سکتا۔ عمران دھیرے سے بڑبڑایا۔ لیکن نہ تو لڑکی ہی متوجہ ہوئی اور نہ ہی فیاض نے مڑ کر دیکھا۔

آپ کو بہت تکلیف اٹھانا پڑ رہی ہے۔ لڑکی کے لہجے میں فکرمندی کے تاثرات تھے۔

جی نہیں۔ فیاض نے جلدی سے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔ اس میں تکلیف کی کیا بات ہے؟

یہ تو آپ کی اعلیٰ ظرفی ہے۔ لڑکی اٹھلائی اور فیاض کے ہاتھ انجن میں تیزی سے اِدھر اُدھر گردش کرنے لگے۔ بالکل ایسے جیسے اعلیٰ ظرفی کی تلاش رہی ہو۔

ارے آپ تو بلاوجہ شرمندہ کر رہی ہیں۔ کچھ دیر فیاض بولا۔

یہی جملہ کل آپ نے مجھ سے بھی کہا تھا۔ عمران سے خاموش نہ رہا گیا۔

کون ہو تم؟ فیاض غرا کر سیدھا ہو گیا۔

خبردار، میں سب سمجھتا ہوں۔ انگریزی میں کون مخروطہ کو کہتے ہیں۔ عمران نے غصے سے لال پیلا ہوتے ہوئے جواب دیا۔

فیاض کی نگاہ جیسے ہی عمران پر پڑی۔ اس کے دیوتا کوچ کر گئے۔ اس نے اپنے چہرے پر مسکراہٹ طاری کرتے ہوئے کہا۔ آخاہ۔ یہ آپ ہیں؟

عمران نے پہلے تو حیرت سے فیاض کی طرف دیکھا، پھر لڑکی کی طرف اور پھر پیچھے گھوم گیا۔ جیسے فیاض نے وہ جملہ کسی اور کے لئے کہا تھا۔

لڑکی عمران کے اس انداز پر کھلکھلا کر ہنس دی۔

اف! اچانک فیاض نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور انگلی منہ میں دبالی،

کک۔ کیا ہوا؟ کیا ہوا۔؟ لڑکی بوکھلا گئی۔

غالباً کرنٹ تھا۔ فیاض دھیرے سے بول اٹھا۔

بیٹری بڑی خوبصورت ہے۔ عمران نے فقرہ چست کیا۔ مم۔ میرا مطلب ہے چھو گیا ہوگا۔ ہاتھ کسی جگہ

خاموش رہو۔ فیاض غرا کر دوبارہ انجن پر جھک گیا۔ شاید اس نے اپنے چہرے پر چھائی ہوئی بے بسی چھپانے کے لئے سہارا لیا تھا۔

کون ہیں یہ؟ لڑکی نے ہنستے ہوئے فیاض سے پوچھا۔

ان کا فرماں بردار بھانجا ہوں۔ عمران جھٹ سے بول اٹھا۔

اوہ آئی سی۔ لڑکی نے حیرت سے پہلے تو عمران کی طرف اور پھر فیاض کی طرف دیکھا۔ شاید وہ یہ اندازہ لگا رہی تھی۔ کہ فیاض کے بھانجے جیسا آدمی اس نے پہلے بھی کبھی دیکھا ہے یا نہیں!

فیاض نے قہر آلود نگاہوں سے عمران کی طرف دیکھا۔ اس کا بس چلتا تو عمران کو کچا ہی چبا جاتا۔

ایسے موقع پر عمران کی آمد اسے بُری طرح کھل جاتی تھی۔ ویسے بھی ایسے مواقع کہاں روز روز ہاتھ آتے ہیں۔

ذرا جلدی کیجئے ناں۔ مجھے دیر ہو رہی ہے، لڑکی نے فیاض کو کام چھوڑ کر عمران کی طرف گھورتے دیکھا۔ تو گھڑی دیکھتی ہوئی منمنائی۔

ہاں خالہ جان یہ گاڑی ٹھیک کر کے جلدی سے گیراج تک پہنچ جائیے عمران نے نہایت ادب کے ساتھ فیاض سے عرض کیا۔

گیراج۔! فیاض نے حیرت سے چونک کر کہا۔

ہاں، دو نئی گاڑیاں آئی ہیں، ان کی ٹیڈیوں کی ایک عرصہ سے مانگ تھی۔ میں پرانی ٹیڈیوں کا بندوبست کرنے جا رہا ہوں۔

اوہ! تو آپ لوگوں کا کوئی گیراج بھی ہے! لڑکی حیرت سے بولی۔

جی ہاں۔ کبھی ضرور تشریف لائیے۔ ہمارے ہاں نہایت ارزاں نرخوں پر پرزے تبدیل کئے جاتے ہیں۔ بالکل جینیوین برانڈ نو۔

پرزے تبدیل کئے جاتے ہیں۔ لڑکی نے حیرت سے پہلے تو عمران کا جائزہ لیا اور پھر فیاض کو یوں گھورنے لگی جیسے اندازہ کر رہی ہو کہ کہیں کوئی پرزہ تو پار نہیں کر رہا۔

آپ کا گیراج کہاں ہے؟ لڑکی نے عمران سے پوچھا۔

اجی ہمارا کہاں ہے، خالو جان وہاں ہیڈ لینک ہیں۔ عمران نے فیاض کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

پھر بھی یور کشاپ ہے کہاں؟

پریڈی اسٹریٹ میں۔

اب تم خاموش نہیں رہ سکتے۔ فیاض پلٹ کر غرایا۔

ایک گاہک بڑھا رہا ہوں خالو جان۔ عمران نے مؤدب لہجے میں جواب دیا۔

میں نے پریڈی کے علاقے میں کبھی کوئی گیراج نہیں دیکھا۔

یہ ابھی پرسوں ہی کھلا ہے۔

پرسوں کھلا ہے اور آپ نے روزِ اوّل ہی چوری چکاری شروع کر دی۔ لڑکی نے نفرت سے ناک سیکوڑ کر فیاض کے ڈیل ڈول کو دیکھا۔

عمران۔۔۔!

خالو جان! عمران نے فیاض کی چیخ کا جواب اسی والیوم میں دیا۔

گر اب بولے تو میں تمہاری گردن توڑ دوں گا۔ فیاض غرایا۔

تم، مگر۔ میرے سپیئر پارٹس کہاں ڈھونڈتے پھریں گے۔ عمران نے رو دینے والے لہجے میں پہلے فیاض اور پھر لڑکی کی طرف دیکھا۔

لڑکی نے اپنا پیٹ پکڑ لیا۔ مارے ہنسی کے اس کی بری حالت تھی۔

خدا بہتر جانتا ہے کہ فیاض نے کوئی کاریگری دکھائی تھی۔ یا اللہ تعالیٰ کو ہی اس کے حال پر رحم آ گیا تھا۔ بہرطور دفعتہً انجن اسٹارٹ ہو گیا۔

لیجئے انجن درست ہو گیا۔ فیاض نے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

گڈ۔ میں تمہارے کام سے خوش ہوں۔ ویسے تمہاری حرکات کو سن کر مجھے افسوس ہوا۔ براہِ کرم اس ذلیل دھندے کو چھوڑ دو۔

آہم! فیاض غرا کر رہ گیا۔

ظاہر ہے۔ اب وہ اپنا تعارف بحیثیت ایس پی پولیس تو کرا نہیں سکتا تھا

لڑکی نے اپنا پرس کھولا۔ چند سکے نکال کر گنے اور فیاض کی طرف بڑھا دیئے۔

یہ لو۔۔۔!

کیا؟ فیاض نے چونک کر لڑکی کی طرف دیکھا اور پھر وہ اچھل پڑا۔ اب مذاق حد سے تجاوز کر گیا تھا۔

تمہاری مزدوری۔ لڑکی نے جلدی سے کہا۔

فیاض نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بلکہ عمران کو قہر آلود نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ ساتھ ہی وہ دانت بھی پیس رہا تھا۔

میں اس مذاق کو برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ چلایا۔

ظاہر ہے مذاق کو صرف باذوق حضرات ہی سمجھ سکتے ہیں۔ یا پسند کر سکتے ہیں۔ عمران نے بڑے فلسفیانہ انداز میں جواب دیا۔

تم مسلسل میری توہین کر رہے ہو۔

بزرگوں نے کہا ہے ہر معاملے میں تسلسل قائم رہنا چاہیئے۔

تسلسل کے بچے۔ فیاض گھونسہ اٹھا کر اس کی طرف بڑھا۔ لیکن لڑکی جلدی سے آڑے آئی۔

دیکھئے اس میں توہین کی کوئی بات نہیں۔ لڑکی بولی۔

یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔؟ فیاض اب لڑکی پر بھی جھلا گیا۔

اگر یہ مزدوری کم ہے تو لیجئے میں اور بڑھائے دیتی ہوں۔ لڑکی نے یہ کہکر پرس سے ایک نوٹ نکال کر فیاض کی طرف بڑھا دیا۔

محترمہ میں مکینک نہیں ہوں۔ فیاض جھلا کر کہا۔

ارے۔ میرے سامنے انجن درست کیا اور اب جھوٹ بول رہے ہو۔

تم سے تو یہ لڑکا اچھا ہے جو بے دھڑک سچ بولتا ہے۔

لے لیجئے ناں، خانو جان۔ بھلا اس میں شرم کی کیا بات ہے۔ عمران نے سنجیدگی سے فیاض کو سمجھایا۔

ہاں۔ ہاں یہ تو ویسے بھی تمہارا حق ہے۔ لڑکی نے تائید کی۔

فیاض نے ایک جھٹکے سے نوٹ لیا۔ اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے عمران پر کھینچ مارا۔ عمران منہ بسورنے لگا۔ اور فیاض پاؤں پٹختا ہوا اپنی موٹر سائیکل کی طرف بڑھ گیا۔

موٹر سائیکل کے قریب جا کر فیاض نے اس انداز سے کک لگائی جیسے موٹر سائیکل کے دولتی جھاڑ دی ہو۔

چند لمحوں بعد فیاض تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

لڑکی اب بڑی دلچسپ نگاہوں سے عمران کو دیکھ رہی تھی۔ عمران نے اسے گھورتے ہوئے دیکھا تو دانتوں میں انگلی داب کر شرما گیا۔ کانوں کی لویں تک سرخ ہو گئیں۔

تم شرما کیوں رہے ہو؟

بے شرمی بھی تو کوئی اچھی چیز نہیں۔

بڑے دلچسپ آدمی ہو۔ لڑکی اس کے برجستہ جواب سے لاجواب ہو گئی۔

جی نہیں چھوٹا دلچسپ ہوں۔ بڑے تو آپ کے سامنے ہی روانہ ہو چکے ہیں ...... ؟

نام کیا ہے تمہارا ...... ؟

فوجدار غلیلوی۔

بڑا عجیب نام ہے۔ لڑکی عمران کی ہیئت کذائی اور جملوں پر مسکرائے جا رہی تھی۔

جی، دراصل میں نے بچپن میں ایک فوجی غلیل سے غلہ مار دیا تھا۔ اس لئے
سب مجھے اسی نام سے جانتے ہیں۔

کام کیا کرتے ہو؟ لڑکی نے شاید فیاض کے منہ سے عمران کا نام سنکر یاد
نہیں رکھا تھا۔

ابھی کچھ دیر پہلے بتایا تو تھا۔ نئی گاڑیوں کو خراب کرتے ہیں۔ ویسے آپ
کس طرف جا رہی ہیں۔ عمران نے جلدی سے پوچھا۔ کیونکہ لڑکی اب ڈرائیونگ
سیٹ پر بیٹھ چکی تھی۔

ایئرو کراس کی طرف۔

اگر زحمت نہ ہو تو مجھے راستے میں کسی جگہ چھوڑ دیجیئے گا۔

آں! لڑکی یکدم چونک پڑی۔ لیکن عمران اس وقت تک اس کے پہلو
میں بیٹھ کر دروازہ بند کر چکا تھا۔

لڑکی نے قدرے توقف کے بعد کار آگے بڑھا دی۔

عمران اونگھنے میں مصروف ہو گیا۔ ایروکراس پہنچ کر لڑکی نے کار روک دی
اور عمران کو ٹھوکا دیا۔ اے مسٹر چلو اترو۔

ارے۔ ہا ہیں۔ ہا ہیں۔ میں کہاں جا رہا ہوں۔ عمران یکدم بوکھلا گیا۔

تم نے یہاں تک آنے کے لئے کہا تھا۔ لڑکی اب نسبتاً سخت لہجے میں بولی۔

عمران سمجھ گیا۔ کہ شرافت سے اتر جانے میں ہی عافیت ہے۔ اس نے

ہی لڑکی کا شکریہ ادا کیا۔ اور ساتھ ہی اسے گیراج آنے کی دعوت بھی دے دی۔
ایک بار خدمت کا موقع ضرور دیں۔

کیوں، ایک بار ہی کیوں؟ لڑکی دوبارہ مسکرائی۔

اس لئے کہ دوسری بار آج تک کوئی آیا ہی نہیں۔ عمران نے کہا، اور
ایک سریلا قہقہہ فضا میں منتشر کرکے چلی گئی۔

—— × × ——



صفدر نے کراہ کر کروٹ بدلی۔ اور اس کی آنکھیں کھل گئیں
اس نے حیرت سے چاروں طرف دیکھا۔

وہ ایک آرام دہ مسہری پر لیٹا ہوا تھا۔ کمرہ جدید ترین بناوٹ کا تھا۔
ر کے ذہن میں بیہوش ہونے کا منظر گھوم گیا۔

دوسرے ہی لمحے وہ انگلیوں کی پوروں سے کھوپڑی کا عقبی حصہ ٹٹولنے
جہاں ایک بڑا سا گومڑا ابھرا ہوا تھا۔

چھونے سے اسے بے پناہ تکلیف کا احساس ہوا۔ اس کے منہ سے
سسکاری نکل گئی۔ خون نکل آنے کی وجہ سے گومڑ پر سر کے بال چپک گئے تھے۔

اس کی نگاہ کلائی کی گھڑی پر پڑی۔

اور وہ وقت دیکھ کر چونک پڑا۔ اس وقت بارہ بج رہے تھے۔ گویا ایک

طویل عرصہ تک بے ہوش پڑا رہا۔

یہ ضرب اگرچہ خاصی شدید تھی۔ لیکن ابھی اتنی نہیں کہ وہ دس بارہ گھنٹے

بے ہوش رہتا۔ اسی لمحے صفدر کو بائیں بازو میں درد کی ٹیس سی اٹھتی ہوئی محسو

ہوئی۔ اس نے دائیں ہاتھ سے تکلیف دہ حصے کو چھوا اور ساری بات اس

سمجھ میں آگئی۔

صفدر نے انگلی کے نرم کنارے سے وہ چھوٹا سا سوراخ محسوس کر

جس پر اب خون کی ننھی سی پپڑی جم گئی تھی۔ یہ سرنج کی سوئی کا ننھا سا زخم تھا

اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔

اگرچہ سر ایک دو بار چکرایا۔ اور اسے اپنی کھوپڑی میں کسی ننھی سی چ

کے وجود کا احساس ہوا۔ لیکن وہ اٹھ کر بیٹھ ہی گیا۔

سر بری طرح گھوم رہا تھا۔

اس نے گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا

پھر اچانک ہی وہ چونک اٹھا۔

اسے یاد آگیا کہ اس کا پورا جسم خراشوں کی وجہ سے زخمی تھا کپڑے تا

تھے۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی دوسرا تھا۔

خراشوں کے تکلیف دہ احساس نے اس کے جسم میں جھرجھری سی پیدا کر دی

مزے کی بات تو یہ تھی کہ اس کے جسم پر قیمتی کپڑے کا سوٹ تھا۔ اور جسم

چند گہری خراشوں کے علاوہ کوئی تکلیف ہی نہیں تھی۔

صفدر کا ہاتھ بے اختیار اپنے چہرے تک پہنچ گیا۔

اس نے ملائمت سے ہاتھ اپنے رخساروں پر پھیرنا شروع کیا تو اسے

محسوس ہوا کہ کسی نے اس کی اچھی خاصی تیمارداری کی ہے۔

چہرے پر ہلکی سی مرہم کی تہہ تھی۔

بہت خوب! اتنے زخموں کو صاف کرنے کے بعد حاصل جمع کے برابر

ایک ہی گومڑ سر میں سجا دیا۔ کوئی با ذوق آدمی معلوم ہوتا ہے۔

اس نے سوچا۔ اور اس کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

صفدر کو کئی میل کی پیدل مارچ اور زمین پر گھسٹنا یاد آیا تو اسے محسوس

کہ بارہ گھنٹے کی بے ہوشی نے تھکاوٹ مکمل طور پر دور کر دی ہے۔ پھر اس

ذہن اس پراسرار آدمی میں الجھ گیا۔ جس کا تعاقب آخر کار اسے

ں تک لے آیا تھا۔

خیالات کے تسلسل سے اکتا کر وہ پاؤں لٹکائے مسہری پر بیٹھ گیا۔

جیبوں کو ٹٹولا لیکن ریوالور، سگریٹ کا پیکٹ، اور لائٹر موجود نہیں تھے

ٹ کی طلب نے تنہائی کے احساس کی شدت کو بڑھا دیا۔

کمرہ بند تھا۔ لیکن گھٹن کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ صفدر مسہری سے اترا۔ ج
پہننے کے بعد وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے کے قریب آیا۔ دروازے کو
دھکیلا۔ دروازہ بند کیا تھا۔ صفدر نے کی ہول سے آنکھ لگا کر باہر کا منظر دیکھنے
کی کوشش کی۔ لیکن اسے ناکامی ہوئی۔

سامنے ایک دیوار دکھائی دی۔ غالباً یہ دروازہ کسی اور کمرے میں کھلتا تھا۔
اچانک دروازے کی طرف کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

صفدر تیزی سے مسہری پر لیٹ گیا۔ دروازہ کھلا اور ایک آدمی دکھائی
دیا۔ صفدر کو ہوش میں دیکھ کر اس کے لبوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ پھیل
گئی۔ اس کے بائیں ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اور دائیں ہاتھ میں کھانے کی ٹرے

لو کھانا کھا لو۔ اس نے غرا کر صفدر سے کہا۔ انداز تحکمانہ تھا۔ اس سے
صفدر کو غصہ آگیا۔

وہ چند لمحے تو اسے کڑی نگاہوں سے گھورتا رہا۔ پھر مسکرا کر بولا۔

کیا یہ بھی کوئی کھانے کی چیز ہے۔ اشارہ ریوالور کی طرف تھا۔

ہاں، لیکن کوئی غلط حرکت کرنا شرط ہے۔

ہوں، ویسے یہاں قید کرنے کی وجہ بتا سکتے ہو؟

نہیں کچھ بتانے کے لئے نہیں، بلکہ تم سے معلومات حاصل کرنے کے
لایا گیا ہے۔

اوہ۔ میں نے کچھ اور ہی سمجھا تھا۔

تم نے کیا سمجھا تھا۔ نو وارد نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے دریافت کیا۔

میں نے سمجھا تھا شاید تم لوگ حاتم طائی کے خاندان سے تعلق رکھتے ہو۔

صفدر نے خود کو زندہ دل اور غیر مرعوب ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

ہم تشدد کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ اور کچھ دیر بعد تم یہ سب کچھ خود
ہی محسوس کر لو گے۔ کھانا کھاؤ۔

مجھے کھانے کی طلب نہیں۔ صرف سگریٹ پینا چاہتا ہوں۔ صفدر نے
برا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

اہم۔ نو وارد نے غرا کر ٹرے اٹھالی۔ اور جیب سے سگریٹ کا پیکٹ
نکال کر صفدر کی طرف پھینک دیا۔ ساتھ ہی دیا سلائی کی ڈبیہ بھی۔

صفدر نے پیکٹ دونوں ہاتھوں میں سنبھالا۔ اور سگریٹ سلگانے لگا۔
کھانا کھانے والا واپس جا چکا تھا۔

وہ دروازہ کھلا ہی چھوڑ گیا۔ صفدر کو حیرت ضرور ہوئی۔ لیکن یہ تاثر
زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکا۔ کیوں کہ دروازے کے فریم میں ایک
آدمی کھڑا تھا۔

یہ وہی پراسرار شخص تھا۔ جس کے تعاقب میں صفدر ساحلی عمارت تک
گیا تھا۔ اس وقت بھی وہ حسب سابق اپنے بلو کوٹ کے بلیے کالر

سے اپنے گالوں اور گردن کو چھپائے ہوئے تھا۔ آنکھوں پر تاریک چشمہ تھا۔ پیشانی پر فلیٹ ہیٹ کا گوشہ جھکا ہوا تھا۔ صرف ناک کی چونچ دکھائی دے رہی تھی۔ جسے غور سے دیکھنے پر صفدر نے نہ جانے کیوں یہ محسوس کیا کہ اس کی ناک مصنوعی ہے۔ شاید پلاسٹک کی بنی ہوئی تھی۔

مجھے افسوس ہے، میں اٹھ کر تمہارا استقبال نہیں کر سکتا۔ صفدر نے مسکرا کر کہا۔

عنقریب تم ایسی حالت کو پہنچ جاؤ گے کہ اٹھ کر استقبال کرنے کی تمہیں ساری عمر حسرت رہے گی۔ شاید تم کبھی رپورٹر کے طریق تشدد سے واقف نہیں ہو۔ پراسرار آدمی کے حلق سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔ اور صفدر سوچ میں پڑ گیا۔ کہ اس لہجے میں بولنے کے لئے اسے کتنی مدت تک مشق کرنی پڑی ہی ہوگی۔

عجائبات سے میری دلچسپی جنون کی حد تک ہے۔ صفدر نے مضحکہ اڑانے والے لہجے میں جواب دیا۔ اور غور سے پورٹر کی طرف دیکھنے لگا۔

پورٹر کمرے میں آگیا۔ اس نے اندر آکر دروازہ بند کر کے بولٹ کر دیا۔

اب تم میرے چند سوالات کا جواب دو گے۔ پورٹر کی سرسراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

صفائی کے کتنے نمبر ہوں گے؟

تم میرا تعاقب کیوں کر رہے تھے۔؟ پورٹر نے صفدر کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے سوال کیا۔

تم اتنے حسین تو نہیں۔

اب تم غیر ضروری گفتگو سے پرہیز کرو گے۔ پورٹر کی سرسراہٹ میں ایک سانپ کی سی پھنکار پیدا ہو گئی۔ اور وہ چند قدم آگے بڑھ آیا۔

صفدر نے پورٹر اب بمشکل چند قدموں کے فاصلے پر کھڑا تھا۔

ایک بار تو صفدر کے جی میں آیا کہ اس سے بھڑ ہی جائے۔ لیکن نہ جانے کیوں وہ اپنی اس خواہش کو دبانے پر مجبور ہو گیا۔

جواب دو۔ تم میرا تعاقب کیوں کر رہے تھے؟

میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ عجائبات سے میری دلچسپی جنون کی حد تک ہے۔

تو تم مجھے بھی کوئی عجوبہ ہی سمجھے تھے۔ کیوں۔؟

کیا تم نے کبھی آئینہ نہیں دیکھا۔ صفدر نے برا سا منہ بنایا۔

تڑاخ۔ صفدر کے منہ پر ایک ہاتھ پڑا۔ صفدر بری طرح چیختا ہوا پیچھے کھسک گیا۔ اسے یوں محسوس ہوا، جیسے اس کے رخسار کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔ وہ سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن اس کا سر اب بھی چکرا رہا تھا۔

صفدر نے اپنے منہ سے بہنے والی خون کی پتلی سی لکیر کو آستین سے صاف کیا۔ اور غور سے پورٹر کے ہاتھوں کی طرف دیکھنے لگا۔

پورٹر نے سیاہ دستانے پہن رکھے تھے۔ صفدر نے دیکھا اس کی انگلیاں حیرت انگیز حد تک اکڑی ہوئی تھی جیسے لوہے کی سلاخیں ہوں۔

بتاؤ۔ پورٹر نے اپنی مٹھی کو سختی سے بھینچتے ہوئے کہا۔

صرف تجسس۔ صفدر نے جواب دیا۔

تڑاخ۔ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ ایک اور ہاتھ صفدر کے دوسرے گال پر پڑا۔ اور صفدر پاگلوں کی طرح چیختا ہوا مسہری پر ڈھیر ہوگیا۔ اور پھر صفدر پر جنون سوار ہوگیا۔

وہ پھرتی سے اٹھا۔ بائیں ہاتھ سے اپنے جبڑے کو ٹٹولا اور دوسرے ہی لمحے وہ پورٹر کی طرف لپکا۔ لیکن پورٹر کے پیٹ میں گھونسہ مار کر اس نے اپنا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور فرش پر بیٹھ گیا۔ جلد ہی ہاتھ پھسلواں پڑا تھا ورنہ شاید صفدر کی انگلیاں ہی ٹوٹ جاتیں۔ پورٹر تو سر سے پاؤں تک لوہے کا بنا ہوا تھا۔

اچانک صفدر کی کھوپڑی پر ایک ہاتھ پڑا۔ اور وہ کراہے بغیر فرش پر ڈھیر ہوگیا۔ یہ ہاتھ ہتھوڑے کی طرح اس کے سر پر پڑا تھا۔ اور صفدر نے بے ہوش ہونے سے قبل صرف یہی سوچا کہ پورٹر کے ہاتھ میں پڑنے والی چوٹ بھی اسی ہاتھ کی رہی ہوگی۔

صفدر فرش پر بے ہوش پڑا تھا۔

پورٹر چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھوں کو ٹکرایا۔ بالکل اس طرح کی آواز کمرے میں گونجی جیسے کئی سلاخیں بیک وقت ایک دوسرے سے ٹکرائی ہوں۔

جھنکار کی آواز سن کر دروازے کی دوسری طرف کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اور پورٹر نے دروازے کی چٹخنی گرادی۔

دو باہر آدمی مودب کھڑے تھے۔

اسے ہوش میں لاؤ۔

او۔ کے۔ باس! دونوں مودب ہو کر جھکے۔ اور ان میں سے ایک جلدی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ چند منٹ بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا برتن تھا۔ برتن میں ٹھنڈا پانی اور پانی میں ڈوبا ہوا ایک چھوٹا سا تولیہ۔

ایک نے صفدر کو اٹھا کر مسہری پر ڈال دیا اور دوسرے نے ٹھنڈے پانی کا تولیہ صفدر کے چہرے پر پھیرنا شروع کردیا۔

جلد ہی صفدر ہوش میں آگیا۔

جاؤ، تم لوگ، پورٹر کی سرسراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ اور دونوں خاموشی سے باہر نکل گئے۔

صفدر چند لمحے خاموشی سے لیٹا چھت کو گھورتا رہا۔

جب باس کے حواس بجا ہوئے تو پورٹر کی لگائی ہوئی چوٹیں دکھنے لگیں اس نے منہ پھیر کر دیکھا۔ سہری کے پاس ہی پورٹر کھڑا تھا۔ ہمیشہ کی طرح سر سے پاؤں تک چھپا ہوا، پراسرار اور خوف ناک، صفدر کے جسم میں جھرجھری سی پیدا ہوئی۔

اٹھ کر بیٹھو۔ پورٹر نے سرسراتی ہوئی آواز میں حکم دیا۔

صفدر خاموشی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کا سر بُری طرح چکرا رہا تھا۔

پورٹر کے ہاتھوں کا اثر بہت دیر پا ثابت ہوا تھا۔

تم نے میرا تعاقب کیوں کیا تھا؟

میں جواب دے چکا ہوں۔ صفدر کی آواز میں حد درجہ نقاہت تھی۔

تم کس کے لیے کام کر رہے ہو؟

میرا ایک دوست ہے؛ صفدر نے یوں ہی ہوائی چھوڑی۔

کیا اس کا نام عمران ہے؟

ہاں! تم کس طرح جانتے ہو؟ صفدر نے حیرت سے پوچھا۔

اس کی سرکاری حیثیت کیا ہے؟

وہ کسی کا پابند نہیں۔ پولیس اور دیگر آدمیوں کے لئے یکساں طور پر کام کرتا ہے۔

کیا اس کا کوئی باقاعدہ گروہ ہے؟

میں اپنے علاوہ کسی اور کو نہیں جانتا۔

ہوں، جس نمبر پر تم نے فون کیا تھا۔ وہ نمبر کس کا تھا؟

ظاہر ہے اسی کا ہوگا۔ جس کے لئے میں کام کر رہا ہوں۔

اگر میں یہ کہوں کہ تم سیکرٹ سروس کے ممبر ہو تو ــ؟

میں تمہیں کسی دماغی ماہر سے ملنے کا مشورہ دوں گا۔

ایکسٹو کون ہے؟ اور سیکرٹ سروس کے باقی ممبروں کے نام بھی بتاؤ

پورٹر کے سوال کرنے کا انداز ایسا تھا۔ جیسے وہ صفدر کی باتوں سے قطعاً مطمئن نہیں ہوا۔

میں تمہیں مشورہ دے چکا ہوں۔ صفدر نے جھلا کر جواب دیا۔

مجھ سے اڑنے کی کوشش بے کار ہے صفدر! اس مرتبہ پورٹر کی سرسراتی ہوئی آواز میں طنز کی گہرائی بھی شامل تھی۔

اور صفدر ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ پورٹر کی معلومات اتنی وسیع بھی ہو سکتی ہیں۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ صفدر نے فیصلہ کر لیا کہ اب وہ مکمل زبان بندی کا مظاہرہ کرے گا۔

چلو شروع ہو جاؤ۔

میرے خیال میں جو کچھ تم جانتے ہو اسی پر اکتفا کرو۔

انجام جانتے ہو؟

جوجی میں آئے کر دیکھو۔ اب میں ایک لفظ بھی نہیں بولوں گا۔ صفدر کے لہجے میں ایک آہنی عزم کی جھلک محسوس کر کے پورٹر چند لمحے اسے گھورتا رہا۔ پھر وہ خاموشی سے پلٹا۔ اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

(-----)



روشی ان دنوں محکمہ خارجہ میں ملازمت کر رہی تھی۔
ہنگامہ خیز زندگی کو وہ ہمیشہ سے خواہاں تھی۔ اِس لئے وہ اکثر و بیشتر عمران کے لئے کام کرتی رہی۔ ادھر عمران بھی اس کی ان صلاحیتوں سے اچھی طرح واقف تھا۔

آج دن بھر کام میں مصروف رہنے کی وجہ سے روشی بہت تھک گئی۔ وہ اپنے فلیٹ میں واپس آئی اور آتے ہی باتھ روم میں گھس گئی۔ نیم گرم پانی کے شاور نے ساری تھکن اور بیزاری دھو دی۔
وہ دھیرے دھیرے گنگناتی ہوئی ڈریسنگ روم میں آئی اور آئینے کے سامنے بیٹھ کر بال سنوارنے لگی۔

اچانک اسے دروازے کے قریب ایک لفافہ پڑا دکھائی دیا۔
اس کا کنگھی کرتا ہوا ہاتھ وہیں رک گیا اور وہ حیرت سے لفافے کو گھورنے لگی۔ ظاہر ہے۔ اس کے نام اور کس کا خط! یہ بات باعثِ حیرت ہی تھی۔ اس کی دو ایک گرل فرینڈز تھیں۔ جن سے وہ فرصت کے لمحات میں مل لیتی تھی۔ اور الوداع کہنے سے پہلے آئندہ ملاقات کے بارے میں طے کر لیا جاتا تھا۔ ایسے میں ان کے خط لکھنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔
روشی کنگھی ڈریسنگ ٹیبل کے برش میں دبا کر اٹھی۔ اور دروازے کے سامنے پڑا ہوا لفافہ اٹھا لیا۔

کسی نے یہ لفافہ اس کی غیر موجودگی میں دروازے کے نیچے سے اندر پھینک دیا ہوگا۔ آتے وقت چونکہ وہ بے حد تھکی ہوئی تھی۔ اس لئے اس نے لفافے کی طرف دھیان ہی نہیں دیا۔ لفافہ بند تھا اور اوپر کسی کا پتہ بھی نہیں لکھا ہوا تھا۔

روشی نے جلدی جلدی لفافہ چاک کیا اور اندر سے تہہ کیا ہوا کاغذ نکالا۔ ایک گلابی رنگ کا کاغذ تھا جس پر کسی نے بڑی خوب صورت تحریر میں لکھا ہوا تھا۔۔۔۔ روشی ڈارلنگ۔

میں اب محلے کے بچوں سے بہت تنگ آ گیا ہوں۔ سارا دن جوس نکالے ادھر سے ادھر گھومتے رہتے ہیں۔ خدا کے لئے تم اپنی رضا

مندی کا اظہار کرو۔ اور فوراً یہاں آجاؤ۔ میں تم سے شادی کرنے کے لئے تیار ہوں۔ آٹھ بجے ایک ٹیکسی کو پکڑ لاؤں گا۔ ان سے اچھا موقعہ آج کل کون ہو گا۔ پھر ہمارے بچے ہوں گے۔ اور وہ دن بھر محلے کے ان جلو کا گھیراؤ کرنا شروع کر دیں گے۔ فقط تمہارا خالو جان، علی عمران

روشنی کی بھنویں کمان ہو گئیں۔

ظاہر ہے عمران کا خط پڑھ کر وہ بھنا گئی ہو گی۔ وہ جلدی جلدی تیار ہو فلیٹ کو لاک کیا۔ اور آٹھ بجنے سے پہلے ہی عمران کے فلیٹ پہنچ گئی چند لمحوں بعد وہ عمران کے سامنے بیٹھی اسے گھور رہی تھی۔ اور عمران کہ فرش کو پاؤں کے ناخن سے کریدنے میں مصروف۔

تم اس قسم کی بے ہودگیوں سے باز کیوں نہیں آتے۔ وہ غرائی۔

بس۔ باز آجاؤں گا۔

کب ؟

شش۔ شادی کے بعد، عمران نے سر جھکا کر جواب دیا۔ اور دوسرے ہی لمحے وہ پھرتی سے اٹھ کر الگ ہو گیا۔ ورنہ روشنی کا گھونسہ اس کے سے پر ہی پڑتا۔

میں کہتی ہوں یہ کیا بکواس ہے ؟

اس کا کچھ اور نام ہے۔ عمران پر سوچ انداز میں بڑبڑایا اور

روشنی حیرت سے اسے گھورنے لگی۔

ہائے کیا پوز ہے۔ یعنی کہ سراپا تھا اس ظالم کا۔ عمران نے دل پر دو ہتھڑ چلا کر ٹھیٹ عاشقانہ انداز میں کہا۔

عمران پلیز۔ میں آج دن بھر کام کی زیادتی سے ویسے ہی آدھ موئی ہو رہی ہوں۔ اب مزید بور مت کرو۔ روشنی کے لہجے سے پتہ چلتا تھا کہ عمران نے اگر اسے ستانے کا موڈ برقرار رکھا وہ ضرور بھاگ لے گی۔

اچھا تم وعدہ کرو۔ پھر میں سنجیدہ ہو جاؤں گا۔ عمران نے سنجیدگی سے کہا۔

بولو۔ کیا بات ہے ؟ میں وعدہ کرتی ہوں۔

تو پھر شادی کی تاریخ مقرر کر لو۔ عمران نے یہ کہہ کر جلدی سے منہ دبا لیا اور روشنی پاگلوں کی طرح اس پر جھپٹ پڑی۔

سور۔ کمینے۔ ذلیل۔ اس کے ہاتھ چل رہے تھے۔ اور عمران منت سماجت کرتا رہا۔ اور پھر سینکڑوں نرم نرم نازک گھونسوں نے اسے سنجیدہ بنا ہی دیا۔

آج کل دارالحکومت میں ایک پراسرار سا آدمی آیا ہوا ہے۔ میں نے اس کے بارے میں بہت کوشش کی۔ لیکن کوئی کام کی بات معلوم نہیں کر سکا

کیا یہ کوئی پرانا مجرم ہے ؟

ایسا ہوتا تو میں اسے ضرور پہچان لیتا، بہر طور یہ پراسرار آدمی محکمہ خارجہ

بہ قرین قیاس بات سمجھ میں آئی، کہ صفدر مجرموں کے ہاتھ لگ گیا ہوگا۔

اچانک فون کی گھنٹی نے اسے چونکا دیا۔

ایکسٹو - !

بلیک زیرو عرض کر رہا ہوں جناب۔

بولو۔ کیا بات ہے ؟

جناب وہی پراسرار آدمی کچھ دیر پہلے فار الیسٹ میں دکھائی دیا تھا۔ میں یہاں ایک کام کے سلسلے میں آیا تھا۔ کہ اچانک اس کی جھلک دکھائی دی۔

اوہ! یہ عمارت تو کئی منزلہ ہے ؟

جی ہاں۔ یہاں ایک دیسی عیسائی نے فلپ اینڈ لو کے نام سے آفس لے رکھا ہے غالباً امپورٹ ایکسپورٹ کا کام ہے۔ وہ اسی کے آفس میں گیا تھا۔

کیا تم نے اس کا تعاقب نہیں کیا - ؟

میں نیچے پہنچا تو وہ جا چکا تھا جناب۔ مجھے افسوس ہے۔

ہوں، فلپ اینڈ لو کے بارے میں معلوم کیا ؟

اس کمپنی کی استقبالیہ پر ایک لڑکی ہے جناب! میں نے اسے رشوت دے کر معلوم کیا تو وہ صرف اتنا ہی بتا سکی کہ وہ کبھی کبھار ہی آتا ہے، اور جس وقت وہ ڈائرکٹر کے کمرے میں موجود ہو۔ اندر جانے کی کسی کو اجازت نہیں ہوتی۔

یا وہ سائنسی ذہن رکھنے والا مجرم تھا۔ اس پراسرار آدمی کے بارے میں مقامی پورٹ یہ ہے کہ اس کا پیشہ سمگلنگ ہے۔ لیکن مجھے اسمگلنگ کے پس منظر کسی اور ہی چیز کی بو آ رہی ہے۔

عمران یہ کہہ کر باقاعدہ نتھنے پھیلا کر ادھر ادھر سونگھا، جیسے واقعی اسے سی چیز کی بو محسوس ہو رہی ہو۔ پھر اس نے بڑے بزرگانہ انداز میں روشنی سے کہا :۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا، کہ آدمی کو روزانہ نہانا چاہیئے ورنہ اس کے جسم سے اس طرح بو آنے لگے گی، جیسے۔ بس!

یہ تم اچانک غسل خانے کی باتیں کہاں سے لے بیٹھے۔ روشنی غرائی۔

خیر صاحب! کل رات صفدر نے اس پراسرار شخص کا کامیاب تعاقب لیا۔ وہ ایک ساحلی عمارت تک گیا تھا، وہاں اس نے ایک لڑکی سے قات کی اور آج وہ چار بچوں کا باپ ہے۔ لاحول ولا قوۃ۔

عمران نے برا سا منہ بنا کر ابکائی روکی اور روشنی نے ادھر ادھر دیکھ کر کھڑکی کے پردے کا ڈنڈا کھینچ کر پاس رکھ لیا۔

عمران نے کنکھیوں سے ڈنڈے کی طرف دیکھا اور سنجیدگی سے بولنے لگا صفدر بعض وجوہات کے تحت ان کے درمیان ہونے والی گفتگو نہیں سکا س نے لڑکی کا حلیہ بتایا تھا، اس حلیئے کی لڑکی تمہارے محکمے میں موجود ہے

کیا۔ ؟ روشنی اچھل پڑی اور عمران جھک کر جھک کر اس کا جائزہ لینے لگا۔
پھر مایوسی سے سر جھٹک کر بولا۔ کمشل تو نہیں ہیں۔
وہ لڑکی کون ہے ؟ اور محکمہ خارجہ میں کیا کام ہے۔ روشنی نے عمران
کی اس حرکت کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔
میں تمہیں لڑکی کا دلیہ۔ ۔ ۔ مم ۔ میرا مطلب ہے حلیہ بنا سکتا ہوں۔ تم ا
سے مل کر بات چیت پکی کر لو۔ آخر کب تک کنوارا رہوں گا۔
روشنی سوائے گھورنے کے اور کر بھی کیا سکتی تھی۔
عمران نے چند لمحوں بعد جس لڑکی کا حلیہ اسے بتایا وہ اس سے قطعاً نا
تھی۔ روشنی عمران کو گھورتی رہی پھر بولی۔
تم نے اس لڑکی کو ٹٹولا۔
کک۔ کیا۔ عمران حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ کبھی میں نے ایسی حرکت
تمہارے ساتھ بھی کی ہے۔
بکواس۔ سور۔ میرا مطلب تھا۔ روشنی بری طرح جھینپ گئی۔
خیر، خیر۔ یہ کام اب تمہیں کرنا ہے۔ لیکن خیال رہے کہیں چٹکی نہ
لیکن تم جولیا کو اس کام پر کیوں نہیں لگاتے۔
تم میں اس سے زیادہ صلاحیتیں ہیں رشو ڈارلنگ، پھر تم اس آفس میں
موجود ہو۔ اس لئے تمہارے لئے یہ کام نسبتاً آسان بھی ہے۔

شکریہ! آج تمہارے منہ سے تعریف بھی سنائی دی۔ روشنی مسکرائی۔
جواباً عمران کے چہرے پر دوبارہ احمقانہ تاثرات پھیلنے لگے۔ اور روشنی
گئی کہ اب اس کا وہاں ٹھہرنا جان جلانے کے مترادف ہوگا، اس لئے
ک لی۔
عین اسی وقت ایکسٹو والے مخفی فون کی اطلاع دینے والا بلب اسپارک
نے لگا۔ عمران تیزی سے فون تک پہنچ گیا۔
میں جولیا بول رہی ہوں جناب۔
ایکسٹو۔ اس نے مخصوص بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
جناب میں رات سے اب تک کئی مرتبہ صفدر کو فون کر چکی ہوں۔
ن ادھر سے کوئی جواب نہیں ملتا۔
کیا ؟ عمران کی آواز میں غراہٹ تھی۔
یہ حقیقت ہے جناب۔
تم آئندہ اسے فون نہیں کرو گی۔ اور تمام ممبروں سے کہہ دو۔ صفدر کے
ٹ سے دور رہیں۔ عمران نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ اور سلسلہ منقطع کر دیا۔
اس کا ذہن تیزی سے صفدر کے بارے میں سوچنے لگا۔ کہیں صفدر زیادہ
ہونے کی وجہ سے کوئی حادثہ تو نہیں کر بیٹھا۔ اچانک اس کے ذہن میں
اندیشہ رینگ آیا۔ اور اس کے بعد تو نہ جانے وہ کیا کیا سوچنے لگا۔ پھر

کے مسٹر صدیقی سے مرڈر کیس میں ملوث ہے۔

یہ تم کس طرح کہہ سکتے ہو؟

جواباً عمران نے انڈے کے بارے میں تفصیلات بتائیں۔

یہ کسی نئے آدمی کا کام نہیں ہوسکتا۔ روشی بڑبڑائی۔

میں نے پرانے مجرموں کے فائل نکلوا کر دیکھے ہیں۔ صرف ایک آدمی ہی دکھائی دیتا ہے اور وہ ہے گیبی پورٹر۔

اوہ! اس کے بارے میں تو سنا تھا۔ کراٹا میں سیکرٹ سروس نے اسے گرفتار کرلیا تھا۔ اور وہ وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ لیکن تعاقب کرکے اس کے جہاز کو سمندر کو میں غرق کردیا گیا۔ جس میں وہ موجود تھا۔

خدا کی قسم روشی ڈارلنگ۔ اپنے پہلے بچے کا نام انسائیکلوپیڈیا ہی رکھنا۔

کیا بکتے ہو؟ روشی جھلاگئی۔

ارے تمہاری کاشت بہت اچھی ہے۔

کاشت۔ روشی نے حیرت سے عمران کی طرف دیکھا۔ یہ عورتوں کی کاشتکاری کب سے شروع ہوگئی۔

آئی ایم سوری۔ مم۔ میں یادداشت کہنا چاہتا تھا۔

چل پڑا چرخہ۔ روشی نے برا سا منہ بنایا۔

اچھا۔ تو دل تھام کر سنو۔ گیبی پورٹر میرے ذہن میں اس لئے

ہوں۔ ڈائریکٹر کے بارے میں کیا جانتے ہو؟

لڑکی کا کہنا ہے جناب کہ آفس کے کسی آدمی نے آج تک ڈائریکٹر کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ اس کا نام ظلپ ہے۔ اور آنے جانے کے لئے وہ ایک الگ دروازہ استعمال کرتا ہے، جو آفس کے عقب میں ہے۔

پھر آفس کے لوگوں کو اس کی آمد کا کسی طرح پتہ چلتا ہے؟

جس وقت وہ آفس میں آجاتا ہے تو آفس کے باہر ایک بلب روشن ہوجاتا ہے جس سے اس کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔

ویری گڈ۔۔۔۔ یہ چکر اب کچھ پلے پڑنے لگا ہے۔

وہ پراسرار آدمی وہاں کتنی دیر ٹھہرا تھا۔

آدھ گھنٹہ جناب!

ٹھیک ہے، میں دیکھوں گا۔ تم آجاؤ اب، عمران نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ اور سوچ کی گہرائیوں میں غوطہ زن دوسرے کی طرف بڑھ گیا۔

صفدر نے پچھلے چوبیس گھنٹوں کے دوران کئی بار فرار ہونے کی کوشش کی لیکن کوئی راہ نہ پا کر بے بسی سے مسہری پر بیٹھ رہا۔ اچانک دروازے کے کی ہول میں چابی گھومی اور دروازہ کھول کر تین آدمی اندر داخل ہوئے۔ سب کے سب جاپانی پہلوانوں کی طرح موٹے تازے اور خونخوار تھے۔

ایک بات تو تینوں میں مشترک تھی۔ وہ تینوں گنجے تھے۔ کھوپڑیاں تیل سے چپڑی ہوئی تھیں اور روشنی میں چمک رہی تھیں۔

چلو، ایک نے صفدر کو اشارہ کیا۔

کہاں؟ صفدر پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

تمہیں تبدیلیٔ آب و ہوا کی ضرورت ہے دوسرے نے معنی خیز لہجے میں جواب دیا۔

صفدر خاموشی سے اٹھ گیا۔ اور ان کے ساتھ چل دیا۔ تینوں کمروں سے گزرنے کے بعد وہ عمارت کے انتہائی تاریک حصے میں بنے ہوئے ایک کمرے کے دروازے پر پہنچے۔ ایک نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور اندر جا کر روشنی کر دی۔

چلو اندر۔ دوسرے نے صفدر کو اندر دھکیلا۔ صفدر نے خاموشی سے تعمیل کی۔

کمرے میں داخل ہو کر اس نے دیکھا، جگہ جگہ آلاتِ تشدد لٹکے ہوئے تھے۔ اسے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ اب تکلیفوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہونے والا ہے۔ تینوں گنجے پہلوانوں نے اس کے گرد گھیرا ڈال لیا۔

صفدر اچانک کمرے میں ایک سرسراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ اس نے غور سے دیکھا، کمرے کے ایک کونے میں چھت میں ایک جالی سی لگی ہوئی تھی۔

شاید اس کے اندر مائیک چھپا ہوا تھا۔

میں تمہیں اب بھی موقع دیتا ہوں۔ کہ تم ایکسٹو اور باقی ممبروں کے بارے میں بتا دو۔ ورنہ تمہارے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کر دیا جائیگا۔

مائیک سے سرسراتی ہوئی آواز آئی۔ ۔ ۔ ۔ میں تمہیں جواب سے مطلع کر چکا ہوں۔

کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟

مجھے افسوس ہے تم بہت دیر میں بات سمجھنے کے عادی ہو۔

ہوں۔ اس کے جسم کی بوٹی بوٹی اڑا دو۔ اس سے میرے سوال کا جواب حاصل کرو۔ جیسے بھی ممکن ہو، لوپرٹر سانپ کی طرح پھنکارا۔

دس مرتبہ لوپرٹر اپنے آدمیوں سے مخاطب تھا۔

تم دیکھتے رہو باس۔ میں آدمیوں کی کھیر بنانے کا ماہر ہوں۔ ایک پہلوان نے صفدر کو گھورتے ہوئے خونخوار لہجے میں کہا۔

میں تمہیں ایک گھنٹہ دیتا ہوں۔

اس کے بعد مائیک خاموش ہو گیا۔ اور تینوں پہلوانوں نے خم ٹھونک کر اپنا گھیر تنگ کرنا شروع کر دیا۔

صفدر نے انہیں کشتی پر آمادہ دیکھا۔ تو وہ بھی سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔

کیا تم باس کے سوال کا جواب دینے پر آمادہ ہو؟ ایک نے پوچھا۔

کوشش جاری رکھو۔ صفدر نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ اور طاقتور سپرنگ کی

طرح اچھل کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔

تینوں پہلوان عقاب کی طرح اس پر جھپٹے تھے، لیکن صفدر پہلے اچھل کر ان کے گھیرے سے نکل گیا۔ نتیجہ کے طور پر وہ بری طرح آپس میں ٹکرا گئے۔

ایک پہلوان کا سر دوسرے کے سر سے بری طرح زور کے ساتھ ٹکرایا تھا۔ اور کمرے میں ایسی آواز گونجی جیسے دو تربوز آپس میں ٹکرا کر پلپلے ہو گئے ہوں۔

صفدر کی پھرتی قابل داد تھی۔ لیکن بدذوق پہلوانوں کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

اب وہ ایک قطار بنا کر ہاتھ پھیلائے صفدر کی طرف بڑھنے لگے۔

اس سے پہلے کہ وہ اس تک پہنچتے، صفدر نے اچھل کر درمیان والے پہلوان کی توند میں خلائی کک جمائی۔ اور سائیڈ کے دونوں پہلوانوں کی کھوپڑیوں پر زوردار گھونسے درمیان والا پہلوان تو ٹھوکر کھا کر پلٹا اور فرش پر گر گیا۔ لیکن بائیں والے کے ہاتھ میں صفدر کا بازو آگیا۔

اس نے پوری قوت سے صفدر کا بازو مروڑ دیا۔

صفدر پھرتی سے گھوم گیا۔ اس کا بازو جھٹکے سے نکل گیا۔ دوسرے پہلوان نے سامنے سے حملہ کیا۔ صفدر نے دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی آزمائی۔

اوغ۔ اسے پکڑنے والے پہلوان کے حلق سے آواز نکلی۔ اور اس نے صفدر کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ ہتھیلی کلہاڑے کی طرح اس کی پسلی میں لگی تھی۔

اتنی دیر میں صفدر سامنے والے پہلوان کی پھیلی ہوئی ٹانگوں میں سے

نکل کر فرش سے اٹھتے ہوئے تیسرے پہلوان تک پہنچ گیا۔

اس نے پوری قوت سے ٹانگ گھمائی۔

کھٹ۔ پہلوان کی گنجی کھوپڑی سے بوٹ کی ٹو ٹکرائی اور وہ دوبارہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ ٹھوکر نے اپنا اثر دکھایا۔ وہ دوبارہ نہ اٹھ سکا۔

صفدر پھرتی سے مڑ کر بقیہ دونوں پہلوانوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ان کی آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا تھا۔ درندوں کی طرح دونوں کے منہ کھلے ہوئے تھے۔ بڑے بڑے دہانوں سے نوکیلے دانت جھانکنے لگے۔

دائیں ہاتھ کی دیوار سے ایک کلہاڑا ٹنگا ہوا تھا۔

صفدر نے اس کی طرف دیکھا اور پھر اس نے الٹے ہاتھ چھلانگ لگانے کی جھکائی دی۔ دونوں پہلوان ادھر مڑے لیکن صفدر تو دائیں طرف دیوار تک پہنچ گیا۔ اس نے کلہاڑا اتارنے میں کسی قسم کی سستی کا مظاہرہ نہیں کیا۔

اس کے ہاتھ میں کلہاڑا دیکھ کر پہلوان لمحہ بھر کے لئے ٹھٹھک گئے۔ اور وہ کود کر دائیں بائیں دیواروں کے ساتھ پہنچ گئے۔

صفدر کے لئے بڑی نازک پوزیشن تھی۔

کچھ سوچ کر وہ دائیں ہاتھ والے پہلوان کی طرف بڑھا۔ کلہاڑا اس کے ہاتھ میں جھول رہا تھا۔ اسی لمحے دوسرے پہلوان نے اس پر چھلانگ لگا دی۔

صفدر پھرتی سے واپس پلٹا۔ اور کلہاڑا پوری قوت سے گھمایا۔

چیخ۔ کلہاڑے کی دھار اس کے کندھے پر پڑی اور گہری اتر گئی۔ کمرے میں زخمی بھینسے کی طرح ڈکرانے کی آواز سنائی دی۔ اور پہلوان فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔

اتنی دیر میں پہلے پہلوان صفدر کے سر پر پہنچ چکا تھا۔

صفدر گھوما اور اس کا کلہاڑے والا بازو پہلوان کے ہاتھ میں آگیا۔ پہلوان نے ایک جھٹکا دیا۔ اور کلہاڑا صفدر کے ہاتھ سے نکل کر زخمی پہلوان کے سامنے جا گرا۔

عقبی پہلوان نے اس کے بازو کو ایک اور جھٹکا دیا۔

صفدر نے اچھلنے کی کوشش کی۔ لیکن پہلوان نے اسے ٹخنی دے کر فرش پر گرا لیا۔

صفدر کے لئے یہ موقع بہت نازک تھا۔ اس کی لمحہ بھر کی غفلت اس کو جسم کے کسی بھی حصے سے محروم کر سکتی تھی۔ جیسے ہی پہلوان نے اپنا گھٹنا اس کے پیٹ میں جمایا۔

اس نے اچھل کر پورے زور سے ایک ٹکر پہلوان کی ناک پر دے ماری۔ پہلوان کے گھٹنے کی گرفت ختم ہو گئی۔ اور وہ چیختا ہوا واپس پلٹا۔ صفدر نے اٹھتے ہی ایک ٹھوکر گرتے ہوئے حملہ آور کی پسلی میں ماری۔

اس کے ساتھ ہی صفدر نے پھرتی سے کروٹ بدل لی۔

زخمی کندھے والے پہلوان نے اس کے سر کا نشانہ لے کر کلہاڑے کا وار کیا تھا صفدر کے ستارے ہی اچھے تھے ورنہ اس کی کھوپڑی دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ہوتی

کلہاڑا پوری قوت سے فرش کے ساتھ ٹکرایا۔

ایک جھنکار سی ہوئی اور آگ کی چنگاریاں اڑیں۔

الٹ کر گرنے والا پہلوان اس وقت سنبھل چکا تھا۔ کروٹ بدلنے سے صفدر اسی کی ٹانگوں کی زد میں آگیا۔

دوسرے ہی لمحے وہ اس کی مضبوط ٹانگوں میں جکڑا ہوا تھا۔ اور پھر وہ مچلتا رہا لیکن پہلوان نے اسے فرش سے اکھاڑ دیا۔ صفدر اس کی ٹانگوں میں اٹھتا چلا گیا۔

صفدر نے مضبوطی سے اس کی ٹانگوں کو پکڑ لیا۔

زخمی پہلوان اس وقت تک صفدر کے قریب پہنچ چکا تھا۔

اس نے پوری قوت سے اپنا بازو استعمال کیا۔ اور صفدر کی کھوپڑی میں روشن ذرے ناچ گئے۔

وہ ایک پہلوان کی ٹانگوں میں پھنسا ہوا مچل رہا تھا۔ اور دوسرا پہلوان وقفے وقفے کے بعد اسے مار رہا تھا۔

چونکہ اس پہلوان کا بایاں کندھا کٹ گیا تھا۔ اس لئے اس کی چوٹوں میں پہلے جیسی پھرتی اور طاقت نہیں تھی۔

پھر بھی صفدر کے لئے یوں بے بسی سے پٹنا مقدر ہو چکا تھا۔

صفدر نے بمشکل اپنے دونوں ہاتھ نیچے پڑے ہوئے پہلوان کے پیٹ تک پہنچائے اور پھر اس نے اس کی دونوں پسلیوں پر اپنی ہتھیلیوں کو آزمانا شروع کر دیا۔

اس نئی افتاد سے گھبرا کر پہلوان نے اسے پوری قوت سے دیوار کی طرف اچھال دیا۔

یہ سب کچھ صفدر کی توقع کے خلاف تھا۔

وہ دھپ سے دیوار کے ساتھ ٹکرایا۔ شاید اس کے ستارے اب بھی اس کا ساتھ دے رہے تھے۔

اس کا سر دیوار کے ساتھ ٹکرانے سے بال بال بچا ورنہ کھوپڑی ریزہ ریزہ ہوگئی ہوتی۔

دیوار سے ٹکرانے کے بعد صفدر نے اٹھنے میں بڑی پھرتی دکھائی۔ لیکن اس وقت تک ایک زوردار ٹھوکر اس کی ناف پہ پڑی۔

صفدر کراہ کر وہیں بیٹھ گیا۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے پیٹ کو دبایا۔ پیٹھ پر پڑنے والے ہاتھ نے اسے دوبارہ چیخنے پر مجبور کر دیا۔ . . . وہ پیچھے کی طرف جھول گیا۔

اور پھر ایک کک اس کی ٹھوڑی پہ پڑی۔ صفدر کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کا سر گردن سے الگ ہو گیا ہو۔

وہ فرش پر لمبا لیٹ گیا۔

پہلوان نے اس کی ٹانگ پکڑ لی اور لگا مروڑنے۔ صفدر نے جلدی سے کروٹ بدلی۔ لیکن یہ کروٹ اسے مہنگی پڑی۔

دوسرے پہلوان نے اس کے منہ پر ٹھوکر ماری تھی۔ اگر صفدر نے اس کا اٹھتا ہوا پاؤں نہ دیکھ لیا ہوتا تو شاید اسے کئی دانتوں سے محروم ہو جانا پڑتا۔ جلدی سے منہ پھیرنے کی وجہ سے ٹھوکر گردن پہ پڑی۔

ادھر ایک پہلوان اس کی ٹانگ مروڑنے پر تلا ہوا تھا۔ دوسرا چونکہ زخمی

تھا۔ اسی لئے وہ ہاتھوں کی بجائے ٹھوکریں استعمال کرنے لگا۔

پے در پے کئی ٹھوکریں صفدر کے سر اور جبڑوں پہ پڑیں۔

اور اب صفدر کی ہمت جواب دینے لگی۔

ٹانگ مروڑنے والے نے ایک زوردار جھٹکا دیا۔ اگر صفدر فوراً ہی اس کی چڈکر نہ مار لیتا تو ٹانگ ٹوٹ ہی گئی ہوتی۔ دوسری ٹانگ کی بھرپور ٹھوکر پہلوان کے لگی۔ اور صفدر کی ٹانگ اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔

صفدر نے دونوں ہاتھوں سے زخمی پہلوان کی ٹھوکر کو روکا اور پھر وہ ٹانگ اس کے ہاتھ میں آگئی۔ صفدر نے بڑی بے دردی سے جھٹکا دیا۔

پہلوان پیٹھ کے بل فرش پر گرا۔

صفدر نے اٹھ کر اس کے زخمی کندھے پر ایک ٹھوکر رسید کر دی اور دونوں ہاتھ آگے پھیلائے دیوار کی طرف لپکا۔

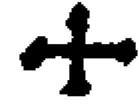
عقب سے ایک ٹھوکر اس کی ریڑھ کی ہڈی پر پڑی تھی۔

دونوں ہاتھوں سے اس نے سر کو دیوار سے ٹکرانے سے بچا لیا۔ لیکن اب ایک نئی افتاد آن پڑی۔

اس کی کمر پکڑ کر پہلوان نے پہلے تو پیچھے کھینچا پھر اچھال دیا۔

صفدر لڑھکتا ہوا واپس پلٹا۔ اس مرتبہ وہ اپنا سر دیوار سے نہ بچا سکا۔ پھر بھی اس نے اس طرح کروٹ بدل لی تھی۔ کہ کم سے کم چوٹ لگے۔

اب صفدر پر بھی دیوانگی سوار ہو گئی۔ وہ غرا کر اٹھا۔
اس مرتبہ اس کے تیور بہت خطرناک تھے۔ لیکن حملہ کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور پورٹر کی پھنکار سنائی دی۔
صفدر اور پہلوان دونوں جہاں تھے۔ وہیں رک گئے۔ البتہ تیسرا پہلوان فرش پر بےخبر لیٹا رہا۔ دروازے میں پورٹر کھڑا تھا۔ ہمیشہ کی طرح ڈھکا چھپا اور پراسرار





فارالیسٹ کی عالی شان عمارت کے پیچھے صدر دروازے کے قریب ایک خوب صورت نوجوان شیورلیٹ کار سے نیچے اترا۔
اس نے مختلف رنگوں کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ پہلی نظر میں وہ کسی پینٹ کمپنی کا اشتہار ہی دکھائی دیتا تھا۔

اس کے چہرے پر حماقتوں کے رنگ بھی بڑے گہرے تھے۔ لیکن معصومیت کا رنگ الگ۔۔ اور دور ہی سے دکھائی دیتا تھا۔ بلاشبہ وہ عمران ہی تھا لیکن وہ میک اپ میں تھا۔

فٹ پاتھ پر کھڑے ہو کر پہلے تو اس نے ادھر ادھر ایسی نگاہوں سے دیکھا جیسے خوابوں کی دنیا میں گھوم رہا ہو۔ انداز احمقانہ ہی تھا۔
عمران نے صدر دروازے میں قدم رکھا۔ سامنے ہی لفٹ تھی۔
چند لمحوں بعد وہ چھٹے فلور پر فلپ اینڈ کو کے دروازے سامنے کھڑا چوکیدار کو یوں دیکھ رہا تھا۔ جیسے اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔
پھر وہ پھرتی سے آگے بڑھا اور چوکیدار بوکھلا کر الگ ہٹ گیا۔ عمران کو اور کیا چاہیے تھا۔ وہ سیدھا آفس میں گھس گیا۔
استقبالیہ پر ایک خوب صورت لڑکی بیٹھی تھی۔
عمران بوکھلا کر اس کی طرف بڑھا۔ پیشانی کو چھو کر گنواروں کی طرح سلام کیا۔ اور مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔
لڑکی نے پہلے تو حیرت سے اس کا جائزہ لیا پھر بے اختیار مسکرا دی۔
گگ۔۔۔ کیوں یہ فلپ کمپنی ہے؟
جی ہاں! فرمایئے! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں؟
میں دراصل فلپ صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔
وہ اجنبی لوگوں سے نہیں ملتے۔ ویسے وہ اس وقت موجود بھی نہیں ہیں لڑکی نے گہری نظروں سے عمران کا جائزہ لیا۔
اوہ۔ بڑی مصیبت ہے۔ عمران نے پیشانی رگڑی۔

آپ مجھے حکم کریں۔ ان سے آپ کو کیا کام ہے؟

دراصل میں فلپ کی ایک سائیکل کرایہ پر لینا چاہتا ہوں۔

فلپ کی سائیکل۔ لڑکی نے حیرت سے دہرایا۔

ج۔ جی ہاں۔ دراصل میں اب سہراب اور رستم سائیکلیں چلا چلا کر بیزار ہو چکا ہوں عمران نے لڑکی کو یقین دلانے والے انداز میں بتایا۔

لڑکی اس انکشاف پر بھونچکی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

عمران نے کنکھیوں سے آفس کا جائزہ لیا۔

یہ ایک کمرے کا آفس تھا جس کے ایک طرف ایک خوبصورت کیبن بنا ہوا تھا۔ آفس میں دو کلرک بیٹھے فائلوں میں سر کھپا رہے تھے۔

کیبن کا دروازہ بند تھا اور تاریکی تھی۔

بلیک زیرو نے جس بلب کے بارے میں بتایا تھا وہ اس وقت بجھا ہوا تھا۔ گویا ڈائریکٹر اس وقت اپنے آفس میں موجود نہیں تھا۔

لڑکی اب بھی حیرت سے عمران کا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔

"تو کیا مجھے مایوس جانا پڑے گا۔ عمران نے گلوگیر لہجے میں پوچھا، اب لڑکی کھلا کیا جواب دیتی۔ اچانک اس پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔

شاید اسے محسوس ہو گیا کہ عمران کسی غلط فہمی کی وجہ سے فلپ اینڈ کمپنی کو کرایہ پر سائیکلیں دینے والی کمپنی سمجھ رہا ہے۔

کہاں ایک مشہور امپورٹ ایکسپورٹ کی فرم اور کہاں کرائے کی سائیکلیں لڑکی کا مارے ہنسی کے برا حال تھا۔

ادھر عمران دیدے نچا نچا کر لڑکی کو دیکھنے لگا۔ اس انداز نے لڑکی کو بالکل ہی لوٹ پوٹ کر دیا۔ لیکن چند لمحوں بعد وہ دوبارہ اسے گھورنے لگی۔

عمران کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہہ رہے تھے۔

اس نئے رنگ کو سمجھنے سے وہ قاصر تھی۔ ظاہر ہے رونا کسی بھی حالت میں مزاح کا پہلو سامنے نہیں لاتا۔ پھر عمران کے رونے کا انداز تو بڑا رقت انگیز تھا۔

دیکھئے اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ میرا خیال ہے میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی، جس سے آپ کا دل دکھا ہو۔

لڑکی نے ہکلا کر عمران سے کہا اور اپنا خوب صورت رومال نکال کر عمران کی طرف بڑھا دیا۔

عمران نے رومال لیا اور جیب میں ڈال کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

شش۔ شکریہ! میں آپ کی اس نشانی کو ہمیشہ سنبھال کر رکھوں گا۔

لل۔ لیکن! میں نے تو یہ آپ کو آنسو پونچھنے کے لئے دیا تھا۔

اچھا! عمران نے حیرت سے کہا اور جلدی سے رومال نکال کر اپنے آنسوؤں کو خشک کرنے لگا۔

پھر اس نے رومال لڑکی کی طرف بڑھایا، اور اس طرح سر جھکا کر باہر کی

طرف چل دیا جیسے اپنا سب کچھ لٹا کر جا رہا ہو۔

لڑکی کی آنکھیں حیرت اور بے بسی سے کھلی رہ گئیں۔ وہ کبھی تو اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے رومال کو دیکھتی جس میں عمران نے ناک تک صاف کر دیا تھا۔ اور کبھی عمران کی طرف جو باہر جا رہا تھا۔

عمران باہر نکل کر سیڑھیوں کی طرف آگیا۔ سیڑھیوں میں اسے ایک دروازہ دکھائی دیا اس نے دیکھا۔ چوکیدار آفس میں چلا گیا تھا۔ شاید لڑکی نے ہی اسے طلب کیا تھا۔ زینے سنسان تھے۔

عمران نے جیب سے سخت تار کا ایک مڑا تڑا ٹکڑا نکالا اور دروازے کے قفل میں داخل کر دیا۔۔۔۔۔ کلک کی آواز کے ساتھ لاک کھل گیا۔

عمران نے ادھر ادھر محتاط نظروں سے دیکھا اور دوسرے ہی لمحے وہ دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔ جلدی سے دروازہ بند کر کے اس نے تار سے دوبارہ لاک کر دیا۔

یہ وہی کیبن تھا، جس کا دروازہ آفس میں کھلا تھا۔۔۔۔ کیبن میں تاریکی تھی۔

عمران نے پنسل ٹارچ نکال کر روشن کر لی۔

چند لمحے روشنی کی باریک لکیر کیبن میں گردش کرتی ہوئی ایک جگہ رک گئی۔

ساتھ ہی عمران کے حلق سے ایک طویل سانس نکل گئی۔

سامنے کرسی پر کوئی بیٹھا ہوا تھا۔

اس نے جلدی سے ٹارچ بجھا دی۔ اور پھر بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال کر اس

کے ہاتھ میں آنے میں دیر نہیں لگی۔

شاید کرسی پر بیٹھا ہوا شخص محوِ خواب تھا۔ عمران کی طرف اس کی پیٹھ تھی۔ کرسی کی ٹیک کے اوپر اس کی گردن دکھائی دی تھی۔ جس کے دونوں طرف کوٹ کے کالر اٹھے ہوئے تھے۔ سر پر فلیٹ ہیٹ تھا۔

عمران دبے پاؤں اندازے سے ہی کرسی تک پہنچ گیا۔ اور ریوالور اندھیرے میں بیٹھے ہوئے آدمی کی گدی سے چپک گیا۔ خاموشی سے بیٹھے رہو۔ عمران کی سرگوشی بڑی واضح اور خوفناک تھی۔۔۔۔۔ کوئی جواب نہیں ملا۔

عمران نے ہاتھ بڑھا کر ٹارچ نکالی اور اسے دوبارہ روشن کر کے کرسی پر بیٹھے ہوئے آدمی پر روشنی ڈالی۔ اور اس کا منہ سیٹی بجانے والے کے انداز میں سکڑ گیا۔

کرسی پر پلاسٹک کی ڈمی بیٹھی ہوئی تھی۔

عمران نے ریوالور جیب میں ڈال لیا اور ٹارچ کی محدود روشنی میں ڈمی کا جائزہ لینے لگا۔

ڈمی کرسی پر براجمان تھی۔ سامنے ایک بڑا رائٹنگ ٹیبل تھا جس کے عقب میں ڈمی کا نچلا حصہ بالکل چھپ گیا تھا۔

نیلے رنگ کا گرم اوور کوٹ ڈمی کو پہنایا گیا تھا جس کے دونوں کالر اس طرح اٹھے ہوئے تھے کہ سامنے بیٹھا ہوا آدمی بصد کوشش اس کی صورت نہیں دیکھ سکتا تھا۔

رہی سہی کسر فلیٹ ہیٹ اور اس کے جھکے ہوئے گوشے نے پوری کر دی۔

عمران کے ذہن میں ایک جھماکہ ہوا۔

وہ سمجھ گیا کہ اس کیبن میں مستقل کوئی نہیں بیٹھتا۔ البتہ کبھی کبھار ضرورت کے وقت وہی پراسرار آدمی آفس میں ملاقات کے بہانے آتا ہے۔ اور یہاں کا کام نپٹا کر واپس چلا جاتا ہے۔

کیبن ساؤنڈ پروف تھا۔ اور آفس والی سائیڈ میں گہرے رنگ کے شیشے لگے ہونے کی وجہ سے اندر کا منظر دکھائی نہیں دیتا تھا۔

عمران نے اطمینان سے الیکٹرک سوئچ تلاش کیا۔ اور کیبن میں روشنی کر دی۔

اب وہ کیبن کا اچھی طرح سے جائزہ لے سکتا تھا۔

سب سے پہلے تو اس نے ڈمی کا جائزہ لینا شروع کیا۔

گلابی رنگ کے پلاسٹک کی بنی ہوئی مضبوط ڈمی تھی۔ عمران نے فلیٹ ہیٹ اتار دیا۔ اور دوسرے ہی لمحے اس کی طبیعت میں چہل آگئی۔

ڈمی کا سر انڈے کے چھلکے کی طرح شفاف تھا۔ عمران نے ایک زبردست چپت اس کے سر پر رسید کی۔ اور پھر خود ہی مسکرا دیا۔

ڈمی کے منہ میں ایک اسپیکر لگا ہوا تھا۔ عمران نے دونوں کانوں کا جائزہ لیا۔ کانوں میں آلاتِ سماعت موجود تھے۔

تو گویا کوئی اس ڈمی کو مسلسل بھی استعمال کرتا ہے۔ عمران بڑبڑایا اور

پھر اس نے کرسی کے پائے کے ساتھ جاتا ہوا ایک تار دیکھ لیا۔

کرسی کے پائے کے نیچے کارپٹ تھوڑا سا کٹا ہوا تھا۔ اوپر سے آنے والی تار کارپٹ کے نیچے چھپ گئی تھی۔

عمران قالین پر اکڑوں بیٹھ گیا۔ اور تار کو محسوس کرتا ہوا اسی سمت میں آگے بڑھنے لگا، جدھر تار جا رہا تھا۔

تار قالین کے نیچے سے دروازے کے ساتھ والی دیوار تک چلا گیا تھا۔

دیوار کی وائرنگ میں یہ تار شامل ہو کر کیبن سے باہر نکلتا دکھائی دیا۔ عمران نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور واپس پلٹ آیا۔

اب اس نے رائٹنگ ٹیبل کی درازوں کو کھول کر تلاشی لینی شروع کر دی۔

آدھ گھنٹے کی مسلسل محنت کے بعد اسے صرف ایک خط ملا جو اس کے کام کا تھا۔

اس نے خط کو بلب کی روشنی میں پڑھنا شروع کیا۔ اور ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں وہ مخصوص قسم کی چمک پیدا ہو گئی۔ جو کامیابی کے قریب پہنچ کر از خود پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ خط کسی نازی ملٹری آفیسر کا تھا۔ ۔ ۔ ۔ خط کی پیشانی پر لکھا ہوا تھا۔ گیبی پورٹر

عمران نے تیزی سے خط کا مضمون پڑھا۔ اور خط جیب میں ڈال لیا۔ اچانک اس کی نگاہ ڈمی کی آنکھوں پر پڑی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ چونک اٹھا۔

تیزی سے ڈمی کے قریب پہنچا اور اس کی آنکھوں کو دیکھنے لگا۔ اب تک اس نے ڈمی کی آنکھوں کی طرف توجہ ہی نہیں دی تھی۔

آنکھیں بلوریں تھیں اور بالکل حقیقی معلوم ہوتی تھیں۔

لیکن عمران جس چیز کو دیکھ کر چونکا تھا۔ وہ کچھ اور ہی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ یہ ویژن آئیز ہیں اور لازماً ان کا تعلق کسی سکرین سے ہوگا۔

عمران چند لمحے اسے حیرت سے دیکھتا رہا۔ پھر اس کے لبوں پر ایک دلفریب مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس نے ڈمی کو آنکھ ماری اور خود ہی شرما گیا۔ اس قسم کے ویژن آئیز کی رینج بہت تھوڑی ہوتی ہے۔

عمران سمجھ گیا کہ فارالسیٹ کی عمارت میں ہی ایک ایسا کمرہ موجود ہے جس میں متعلقہ سکرین لگی ہوئی ہے۔

آفس میں جب کوئی بات چیت کرنی ہوتی ہے تو سکرین پر بیٹھا ہوا شخص اپنے آدمیوں کو دفتر میں بلاتا ہوگا۔

اسے سامنے کرسی پر بیٹھنے کا کہہ کر اس سے گفتگو کرتا ہوگا۔

چونکہ آواز ڈمی کے منہ میں لگے ہوئے اسپیکر سے نکلتی ہے اور مخاطب کی باتوں کا فی البدیہہ جواب ملتا ہے۔ اس لئے اس کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہونے کا سوال ہی نہیں تھا، کہ اس کے سامنے پلاسٹک کی ایک بے جان ڈمی بیٹھی ہوئی ہے۔

گویا گیبی پورٹر بڑے معرکے سر کرنے کے موڈ میں ہے۔ عمران دھیرے سے مسکرایا۔ اور ڈمی کے پاس سے ہٹ آیا۔

اس نے میز میں رکھے ہوئے کاغذات سابقہ ترتیب سے رکھ دیئے اور

دراز کو بند کر دیا۔ پھر وہ ڈمی کی طرف متوجہ ہوا۔

چند لمحے اطمینان سے ڈمی کے چاند پر ہاتھ پھیرا۔ پھر دو تین ہلکی چپتیں مار کر گویا عادت پوری کی۔

اس کے بعد اس نے ڈمی کا اوورکوٹ درست کیا۔ سلوٹیں ٹھیک کیں اور دونوں کالر پہلے کی طرح اٹھا دیئے۔

محتاط انداز سے فیلٹ ہیٹ کا گوشہ ڈمی کی پیشانی پر جھکا دیا۔ کمرے کی ظاہری حالت کو ایک نظر تنقیدی انداز میں دیکھا اور پھر مطمئن ہو کر سر ہلا دیا۔ گویا اب کوئی یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ کوئی اجنبی بھی اس کمرے میں آچکا ہے یا کسی نے کیبن کی تلاشی لی ہے۔

روشنی بجھا کر اس نے اپنی ٹارچ روشن کر لی۔ کیبن پہلے کی طرح تاریک ہو گیا وہ تاریکی میں قالین پر بے آواز چلتا ہوا دروازے تک پہنچا۔

جیب سے تار کا ٹکڑا برآمد کیا اور پنسل ٹارچ کی باریک روشنی میں دروازے کے لاک پر جھک گیا۔ چند سیکنڈ میں لاک کے اندر کلک کی آواز سنائی دی۔

اسی لمحے باہر سیڑھیوں پر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی، عمران سانس روکے دروازے سے لگا کھڑا رہا۔

جب سیڑھیاں چڑھنے والے کے قدموں کی چاپ مدھم ہو گئی، تو عمران نے دروازے سے تھوڑی سی جھری پیدا کر کے باہر دیکھا۔ اچھی طرح سے اطمینان

کر کے وہ باہر نکل آیا۔

پھر دروازہ لاک کر کے بھی اس نے کسی قسم کی سستی کا مظاہرہ نہیں کیا۔

چند لمحوں بعد وہ اطمینان سے جیبوں میں ہاتھ ڈالے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ کنکھیوں سے اس تار کو دیکھتا جا رہا تھا جو دار تک کی پٹی پر دوسری تاروں میں صاف دکھائی دے رہی تھی۔

∴



روشی کو جب سے معلوم ہوا تھا، کہ محکمہ خارجہ میں ایک ایسی لڑکی بھی موجود ہے جو کسی ملک دشمن تنظیم کی آلہ کار ہے۔ اسے پل بھر گزارنا مشکل ہو گیا۔ اس نے بڑی بے چینی سے رات گزاری۔

صبح کے وقت وہ معمول سے پہلے ہی فلیٹ سے بھاگ نکلی۔

اگرچہ وہ ہوٹلنگ کو پسند نہیں کرتی تھی۔ تاہم اس روز ناشتہ اس نے ایک اچھے سے ہوٹل میں ہی کیا۔ لیکن وقت کے پاؤں میں نہ جانے زنجیر پڑ گئی تھی۔ کہ گزرنے میں نہیں آتا تھا۔ خدا خدا کر کے آفس ٹائم ہوا۔

اس نے ٹیکسی پکڑی اور آفس پہنچ گئی۔

چند ایسے کام جو اس کی فوری توجہ کے مستحق تھے۔ اس نے بڑی عجلت اور بے تابی سے نپٹائے اور پرس سنبھالتی ہوئی سیٹ سے اٹھ گئی۔

پورے محکمہ خارجہ میں گھومنے کے ارادے سے اس نے ایک ایک برانچ چھان ماری۔ لیکن مطلوبہ لڑکی کا سراغ نہ ملا۔

روشی سوچ میں پڑ گئی کہ کہیں عمران کو غلط فہمی تو نہیں ہوئی۔ بہر طور اب کوئی ایسی جگہ نہیں تھی۔ جہاں روشی اس لڑکی کو تلاش کرتی۔ پھر اس وقت تک اسے خاصی تھکن محسوس ہونے لگی۔

اچانک اس کی نگاہ کینٹین کی طرف اٹھ گئی۔

بے اختیار اس کا جی چاہا۔ کہ دو گھڑی کینٹین میں بیٹھ کر کافی کی چسکیاں لے۔ وہ تھکے تھکے سے انداز سے ادھر بڑھ گئی۔

کینٹین میں اس وقت زیادہ رش نہیں تھا۔

وہ ایک کارنر ٹیبل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ کہ اس کی نگاہ ایک لڑکی پر پڑی جو کاؤنٹر سے کافی فاصلے پر ایک کھڑکی کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ روشی کی ساری تھکن دور ہو گئی۔

لڑکی کی نگاہ بھی اچانک روشی پر پڑی۔ وہ الجھی الجھی نگاہوں سے روشی کو دیکھنے لگی جو اب بھی اسے دیکھ رہی تھی۔ اخلاقاً لڑکی مسکرا دی۔

روشی نے اس کی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا۔ اور اس کی طرف

بڑھ گئی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہیلو! کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں۔

تشریف رکھیئے۔ لڑکی نے مسکرا کر جواب دیا۔ لیکن روشی کی باریک بین نگاہیں تاڑ گئیں۔ کہ اسے روشی کا وہاں بیٹھنا پسند نہیں آیا۔

ٹائپسٹوں کو فولاد کا بنا ہونا چاہیئے۔ سارا دن مشین کوٹ کوٹ کر انگلیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔ روشی نے گفتگو کا آغاز کیا۔

جی ہاں۔ آپ نے درست فرمایا۔ واقعی بڑا ہی خشک کام ہے۔ آپ کو پہلے کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

جی میں ریکارڈ برانچ میں ہوں۔ فائلوں کی دیکھ بھال تو بچے پالنے سے بھی مشکل کام ہے۔ لڑکی کی آواز میں یوریت کا تاثر تھا۔

ایسے میں دو گھڑی کافی کی چسکیاں ہی ایک ایسی دلچسپی ہے۔ کیا آپ پسند کریں گی؟ روشی نے لڑکی کو دعوت دی۔

میں ابھی ابھی پی چکی ہوں۔ ۔ ۔ ایک دور اور سہی۔ روشی نے مجبور کیا۔

کافی کی زیادتی میرے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔ اس لئے معذرت چاہوں گی۔

اوہ! میں نے سوچا شاید اسی طرح کمپنی رہے گی۔ روشی نے اپنے لہجے سے یہ تاثر دیا جیسے وہ چند لمحے ہنس بول کر گزارنا چاہتی تھی۔ لیکن اب اسے مایوسی ہوئی۔ پلیز۔ محسوس نہ کریں

لڑکی نے جیسے سابقہ لہجے کا تاثر کم کرنے کی کوشش کی۔

اوکے۔ یونہی سہی۔ میں تنہا کافی پی لوں گی۔ روشی نے یہ کہہ کر کافی کا آرڈر دیا۔ اور دزدیدہ نگاہوں سے لڑکی کا جائزہ لینے لگی۔

لڑکی درحقیقت بے حد خوب صورت تھی۔ سنہرے بال۔ نیلگوں جھیل سی گہری۔ ۔ ۔ ۔ سرخ و سفید رخسار جن میں ہنستے وقت چاہ زنخداں دکھائی دیتے ہونٹ گلابی اور جسم حد درجہ سڈول۔ پھر خدوخال انتہائی پرکشش تھے۔

روشی نے محسوس کیا کہ وہ بار بار بیرونی سڑک کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یہ سڑک محکمہ خارجہ کے مین گیٹ کے سامنے سے گزرتی تھی۔

چونکہ کینٹین گیٹ کے بالکل پاس ہی تھی۔ اس لئے سڑک زیادہ دور نہیں تھی اور اس سیٹ پر بیٹھ کر تو سڑک پہ آنے جانے والے ہر آدمی پر نگاہ رکھی جا سکتی تھی۔ روشی سمجھ گئی۔ کہ اسے کسی کا انتظار ہے۔

لڑکی بار بار بے چینی سے پہلو بدل رہی تھی۔

آپ کچھ پریشان دکھائی دے رہی ہیں۔ روشی نے استفسار کیا۔

وہ۔ کوئی بات نہیں، یوں ہی۔

لڑکی اب واقعی نروس دکھائی دینے لگی۔ میں کچھ مدد کر سکتی ہوں۔؟

شکریہ! دراصل اس وقت میرا ذہن کچھ پریشان سا ہے۔

مجھے بتایئے ہو سکتا ہے میں کچھ کر سکوں۔ روشی نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

نہیں! دراصل میں تنہا رہنا زیادہ پسند کرتی ہوں۔ اور دوسروں کی موجودگی میں

ہمیشہ نروس ہو جاتی ہوں۔

ارے - ایسا بھی کیا۔ تنہا رہنا تو مردوں کا کام ہے۔ ان کا حق زندوں کو نہیں چھیننا چاہیئے۔

آپ کی زندہ دلی دیکھ کر مجھے رشک آتا ہے۔ لڑکی نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ اور روشی دل ہی دل میں اس کی اداکارانہ صلاحیتوں پر مسکرانے لگی۔ ویسے گھبراہٹ اور پریشانی میں اور بھی حسین لگ رہی تھی۔

آپ نے ابھی تک اپنا نام تو بتایا ہی نہیں!

"عذرا - !

مجھے روشی کہتے ہیں - روشی نے ہاتھ مصافحے کے لئے آگے بڑھا دیا۔

پلیز ٹو سی یو - ! عذرا نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اچانک اس کا ہاتھ لرز گیا۔ روشی نے اس کی طرف دیکھا۔

وہ صدر دروازے کی طرف متوجہ تھی - جہاں ایک ٹیکسی ڈرائیور گاڑی روکے کھڑا تھا۔ روشی نے غور سے دیکھا۔ ڈرائیور نے عذرا کو اشارہ کیا تھا۔

"مس روشی میں اجازت چاہوں گی"

"ارے اس قدر جلدی - روشی نے حیرت سے کہا۔

دراصل مجھے اچانک ایک کام یاد آگیا ہے۔ پلیز آپ ڈونٹ مائنڈ۔

"اوہ - کوئی بات نہیں" روشی نے فراخدلی سے اجازت دیدی۔

عذرا بڑی تیزی سے کیبن سے نکل گئی۔

باہر پہنچ کر اس نے واپس پلٹ کر دیکھا - لیکن روشی اس کی طرف متوجہ ہی کہاں تھی - اگرچہ اس نے سر جھکا رکھا تھا۔ تاہم وہ کنکھیوں سے اسے جاتی دیکھ رہی تھی۔

عذرا جلدی سے ٹیکسی میں بیٹھ کر آگے بڑھ گئی۔

جیسے ہی ٹیکسی دروازے سے آگے بڑھی روشی ہوا کے تیز جھونکے کی طرح اٹھی اور باہر پہنچ گئی۔ اسے سب سے زیادہ فکر تعاقب کی تھی اور تعاقب کرنے کے لئے کسی تیز رفتار سواری کی ضرورت تھی۔

اچانک روشی کی نگاہ سر سلطان کی گاڑی پر پڑی۔ نہ جانے کیا بات تھی۔ آج سر سلطان خود ہی گاڑی ڈرائیو کر رہے تھے۔

روشی نے بے تابی سے ہاتھ دے کر گاڑی رکوائی۔ گاڑی اس وقت گیٹ سے اندر آ چکی تھی۔ روشی نے جلدی سے ڈرائیونگ سیٹ والا دروازہ کھولا۔

براہ کرم جناب گاڑی دیدیں۔ عمران کا کام ہے۔

روشی کی اس جسارت پر سر سلطان پہلے تو حیران رہ گئے لیکن جلدی ہی وہ سمجھ گئے - انہوں نے روشی کو پہچان لیا۔ وہ اچھی طرح سے جانتے تھے کہ عمران بعض کاموں میں اسے بھی استعمال کرتا رہتا ہے۔

دوسرا دروازہ کھول کر وہ جلدی سے نیچے اتر گئے۔

روشی نے گاڑی گیئر میں ڈالی اور ریورس کر کے گیٹ سے باہر آ گئی۔ سڑک پر آ کر اس نے کار کو اسی جانب فل اسپیڈ پر چھوڑ دیا، جدھر ٹیکسی گئی تھی۔

سامنے سڑک پر ایک چھوٹا سا سیاہ دھبہ دکھائی دے رہا تھا۔ روشی نے کار کی رفتار میں مزید اضافہ کر دیا۔

چند منٹ بعد عذرا والی ٹیکسی صاف دکھائی دینے لگی۔

روشی نے رفتار کم کر دی اور مناسب فاصلے سے ٹیکسی کا تعاقب شروع کر دیا۔

ٹیکسی مختلف سڑکوں پر گھومتی رہی اور روشی نے تعاقب جاری رکھا۔ بیس منٹ کی بھاگ دوڑ کے بعد ٹیکسی ساحل کی طرف جانیوالی سڑک پر مڑ گئی۔

روشی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ عذرا ساحل کی طرف کیوں جا رہی ہے۔؟

وہ ٹیکسی پر نگاہیں جمائے خاموشی سے ڈرائیوری کرتی رہی۔

ساحل سے کچھ ادھر ٹیکسی ایک کچے راستے پر مڑ گئی۔

روشی نے گاڑی سڑک پر ہی روک لی اور وہاں سے ٹیکسی کا جائزہ لیتی رہی جو کچے راستے پر دھول اڑتی جا رہی تھی۔

ٹیکسی چند لمحوں کے بعد جھاڑیوں کے عقب میں غائب ہو گئی۔

روشی نے دیکھا۔۔۔۔ دور ایک عمارت دکھائی دے رہی تھی۔۔۔ وہ سمجھ گئی کہ عذرا اسی عمارت میں گئی ہے۔ کیونکہ دور دور تک نزدیک کوئی اور عمارت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس لئے اس کا یہ خیال حقیقت میں بدل گیا۔

روشی نے کار کچے راستے پر موڑ لی۔

تقریباً ایک فرلانگ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے کار کو جھاڑیوں کے

عقب میں روک دیا اور دروازہ لاک کر کے نیچے اتر آئی۔

اس وقت اسے پستول کی غیر موجودگی کا شدت سے احساس ہوا۔

جھاڑیوں کے عقب سے نکل کر اس نے دائیں ہاتھ کو درختوں کا ایک طویل سلسلہ دیکھا جو گھومتا ہوا عمارت کی طرف جاتا تھا۔

روشی جلدی سے درختوں کی آڑ لے کر آگے بڑھنے لگی۔

ایک کے بعد دوسرے تک وہ خرگوش کی طرح پھرتی سے پہنچتی ہوئی لحظہ بلحظہ عمارت کے قریب ہوتی جا رہی تھی۔

عمارت سے کچھ فاصلے پر رک کر اس نے درخت کے تنے کی اوٹ سے جھانکا۔ عمارت کے سامنے ٹیکسی کھڑی دکھائی دی۔ روشی کے لبوں پر ایک حسین مسکراہٹ رقصاں ہو گئی اور وہ احتیاط سے آگے بڑھنے لگی

عمارت چاروں طرف سے سنسان دکھائی دے رہی تھی۔ اور پھر نزدیک پہنچکر تو روشی کے ہونٹ سیٹی بجانے والے انداز میں سکڑ گئے۔

دروازے پر ایک تختی لگی ہوئی تھی۔ جس پر لکھا ہوا تھا کرائے کے لئے خالی ہے۔ روشی چند لمحے گردوپیش کا جائزہ لیتی رہی۔

پھر وہ گریز قدمی سے آگے بڑھ کر دیوار کے ساتھ چپک گئی۔ اچانک اس کے کانوں میں ایسی آواز آئی کہ جیسے کوئی چیخا ہو۔

وہ جہاں کی تہاں کھڑی ہو گئی۔

اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آتا تھا۔ ۔ چیخنے کی یہ آواز سو فیصد صفدر
کی تھی جسے وہ سینکڑوں آوازوں میں شناخت کر سکتی تھی۔

صفدر آدریہاں ۔۔۔۔۔ پھر تکلیف میں ڈوبی ہوئی آواز۔ ۔ ۔ ضرور صفدر
پر تشدد ہو رہا ہے۔ لیکن کیوں ۔۔۔۔ اس کے ذہن میں بیک وقت کئی فقرے چل
گئے اور اس کے سختی سے اپنے وینٹی بیگ کو موڑ دیا۔ جس میں اس دن کرنسی نوٹوں
کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

اور تا ہر ہے نوٹ پستول کا کام تو نہیں دے سکتے تھے

اس نے اپنے سینڈل اتار کر اپنے ہاتھوں میں لے لئے اور برآمدے میں آ
گئی۔ برآمدے کی باہر والی سائیڈ پر چک لٹک رہی تھی۔ جس کی وجہ سے برآمدے
میں قدرے تاریکی ہو رہی تھی۔

روشی بلی کی طرح خاموشی سے پنجوں کے بل آگے بڑھنے لگی۔

اچانک چیخنے کی آواز دوبارہ سنائی دی۔

اس مرتبہ آواز قدرے صاف اور قریب سے آتی سنائی دی۔ روشی نے
آواز سے سمت کا تعین کیا۔ اور برآمدے کے بعید نزین کونے والے کمرے کی
طرف بڑھ گئی۔

کمرے کا دروازہ بند تھا اور اندر تاریکی تھی۔

روشی نے ۔۔۔ ہاتھ سے دروازے پر دباؤ ڈالا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔۔۔

وہ دروازہ کھلتے ہی اندر داخل ہو گئی۔

کمرہ جدید ترین ساز و سامان سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن کمرے میں کوئی نہیں تھا۔
روشی آگے بڑھ کر کمرے کے عین درمیان میں آ گئی۔

اچانک ویسی ہی چیخ دوبارہ سنائی دی۔ جیسی وہ پہلے دو مرتبہ سن چکی تھی۔
روشی نے آواز سے اندازہ لگایا، کہ صفدر کسی قریبی کمرے میں ہے
اسی لمحے اس کی نگاہ کمرے کے کارنر میں رکھے ہیں ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی
اور وہ چونک پڑی۔ ڈریسنگ اپنے زاویے سے کچھ ہٹا ہوا تھا۔
روشی لپک کر کونے میں پہنچی۔ اور ٹھٹھک گئی۔

ڈریسنگ کے پیچھے ایک دروازہ تھا۔

چند لمحے خاموشی سے کھڑی رہ کر روشی نے آہٹ لی اور ڈریسنگ کے پیچھے
رینگ گئی۔ اب وہ اس خفیہ کمرے کے دروازے میں کھڑی تھی، جس میں صفدر کو
زدو کوب کیا جا رہا تھا۔

وہ بے آواز چلتی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔

یہ کمرہ بھی خالی ہی تھا لیکن بلب کی روشنی پورے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔

روشی نے ایک نظر کمرے کا جائزہ لیا۔

کمرے میں ضرورت کے مطابق فرنیچر سجا ہوا تھا۔ ڈریسنگ کے عقب میں
بنے ہوئے دروازے سے اسے سیڑھیاں اتر کر اندر داخل ہونا پڑا تھا۔ اس لئے

وہ سمجھ گئی کہ کمرہ تہہ خانے میں واقع ہے۔ ضرور اس کمرے کے اوپر بھی کوئی ک
رہا ہوگا۔

روشی نے صفدر کے چیخنے کی دوبارہ آواز سنی اور ساتھ ہی کسی کی سرسراتی
آواز بھی سنائی دی۔۔۔ آواز اتنی خوف ناک تھی کہ روشی کی ریڑھ کی ہڈی می
خوف کی سرد لہر دوڑ گئی۔

اچانک اسے اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اس نے تیز
سے مڑنا چاہا۔ لیکن اسی وقت تک ریوالور کی نال اس کی پسلیوں میں لگ چکی

فلیٹ

اینڈ کمپنی کے کیبن سے آنے والے تار کی رہنمائی میں عمران سیڑھیاں اترتا ہوا
ٹ فلور پر آ گیا۔

یہاں آ کر تار دائیں ہاتھ راہداری میں کی وائرنگ میں مل گیے۔

عمران کو پندرہ منٹ بعد اس فلیٹ کا پتہ چل گیا، جس میں سے کیبن میں موجودہ
و آپریٹ کیا جاتا تھا۔

ایک دو کمرے کا فلیٹ تھا۔ اور راہداری کے بعید ترین کونے میں واقع تھا
کھڑکیاں سامنے سڑک کی طرف کھلتی تھیں۔

عمران نے آہستہ خرامی کے ساتھ راہداری کا چکر لگایا۔

اچھی طرح سے اطمینان کرنے کے بعد وہ فلیٹ کے دروازے کے سامنے
دوسرے ہی لمحے اس نے دستک دینے کے لئے ہاتھ اٹھایا۔

تھپ۔ تھپ۔ تھپ۔ اس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

رے میں مکمل خاموشی تھی۔

اس نے دوبارہ دستک دی۔ اس مرتبہ دروازے کی اندرونی جانب کسی کے

قدموں کی چاپ سنائی دی۔ پھر کوئی دروازے کے قریب آیا۔

"کون ہے۔۔؟"

"پورٹر۔۔۔!" عمران کے حلق سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

"یس۔ باس۔ لیکن آج آپ نے فون پر کوڈ نہیں بتایا۔" اندر سے کسی کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"گدھے۔۔۔ دروازہ کھولو۔۔۔ حالات بدل چکے ہیں۔" عمران نے اس مرتبہ بھی پورٹر کے لہجے کی کامیاب نقل اتاری۔

پورٹر کو جب اس نے پراسرار ٹیکسی ڈرائیور کے روپ میں دیکھا تھا تو اس وقت پورٹر کے لہجے کو اس نے خاص طور سے مارک کیا تھا اور پھر آج تو اس نے اندھیرے میں ہی تیر چلایا تھا۔

یہ اتفاق ہی تھا، کہ اندر کوئی دوسرا آدمی تھا۔ وگرنہ خود پورٹر ہی ہوتا، تو مزے آجاتے۔

اچانک دروازہ بڑے زور سے کھلا اور کسی نے باہر جھانکا۔

"گگ۔ کون۔۔؟" عمران پر نگاہ پڑتے ہی وہ شخص ٹھٹھک کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ بقیہ چند قدم ہٹانے کے لئے عمران کا گھونسہ ہی کافی تھا۔ گھونسہ خاصا جاندار تھا۔ اس لئے چند لمحوں تک تو وہ شخص سکتے کے عالم میں کھڑا رہ گیا۔ اور وقت کا یہ قلیل عرصہ عمران کے لئے بہت کافی تھا۔

وہ دروازے سے اندر آگیا اور جلدی سے دروازہ بند کرکے چٹخنی چڑھا دی۔ اس سے قبل کہ فلیٹ والا آدمی معاملے کو سمجھ سکتا۔ عمران کا ریوالور اس کے ہاتھ میں پہنچ چکا تھا۔ اور اب اپنی اکلوتی آنکھ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"گگ۔ کون ہو تم۔؟" اس کے لہجے کی گھبراہٹ برقرار تھی۔

"کیا تم نے آواز سے مجھے نہیں پہچانا؟" عمران نے پورٹر کا لہجہ اب بھی برقرار رکھا۔ اس نے دیکھا سامنے والے آدمی کے چہرے پر بے یقینی کے تاثرات تھے۔

"لل۔۔۔ لیکن باس۔۔۔ یہ آپ اس طرح۔۔۔!"

"تو کیا تم نے پہلے میری صورت دیکھ رکھی ہے؟" عمران پھنکارا۔

"نن۔ نہیں باس۔! اس لئے تو میں حیران ہوں۔"

"ہوں۔! تو گویا تم نے پورٹر کی شکل پہلے کبھی نہیں دیکھی۔" عمران اس مرتبہ اصلی آواز میں بول اٹھا۔۔۔ "خاموشی سے ادھر بیٹھ جاؤ۔" عمران نے ریوالور والے ہاتھ کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔

لہجے کی تبدیلی پر وہ آدمی بری طرح اچھل پڑا۔

شاید اسے اپنی حماقت کا احساس ہوگیا تھا۔ اس کے چہرے سے [illegible]گی کے آثار چھٹ گئے۔ اور وہ کینہ توز نگاہوں سے عمران کو گھورنے لگا۔

"میں نے تم سے کیا کہا تھا۔" عمران اپنی اصلی آواز میں غرایا۔

"تم کون ہو اور اس مذاق کا کیا مطلب ہے؟" اس نے عمران کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پھنکار کر کہا۔

جواباً عمران نے جیب سے سائیلنسر نکال کر نال پر فٹ کرنا شروع کر دیا اس کے چہرے سے حماقتوں کا پردہ اٹھ گیا تھا اور اب وہ با رعب اور پروقار دکھائی دے رہا تھا۔

عمران کو سائیلنسر چڑھاتے دیکھ کر وہ شخص بڑی بیجگری سے عمران پر ٹوٹ پڑا۔ عمران نے اسے الٹے ہاتھ پر روکا۔

لیکن وہ بری طرح لپٹ پڑا۔

عمران کو اس سے اس قدر دیدہ دلیری کی توقع نہیں تھی۔ اس لئے وہ قدرے لاپرواہ سا تھا۔ اس وجہ سے ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

ریوالور فرش پر گرا۔

اس آدمی نے جھک کر پھرتی سے ریوالور پر قبضہ جمانا چاہا۔ لیکن عمران کا زوردار گھٹنہ اس کی ٹھوڑی پر پڑا اور وہ چیختا ہوا واپس گرا۔

اس کے گرتے گرتے عمران نے بڑی بیدردی سے ایک ٹھوکر اس کی شہ رگ پر ماری۔ ٹھوکر اتنی جاندار تھی کہ وہ آدمی ڈکرانے پر مجبور ہو گیا۔

عمران نے اسی پر بس نہیں کیا۔

بلکہ اس کے پیٹ میں ایک ٹھوکر جما دی۔ وہ دونوں ٹانگیں پیٹ کے

ساتھ لگا کر گٹھڑی بن گیا۔ لیکن عمران کی ایک اور ٹھوکر اس کی دائیں پسلی پر پڑی۔ ٹانگیں ڈھیلی چھوڑ کر وہ فرش پر کروٹ بدلنے پر مجبور ہو گیا۔ عمران نے اس کی ریڑھ کی ہڈی پر ایک فیصلہ کن ٹھوکر ماری اور اس نے ہاتھ پاؤں ڈال دیئے۔

اچھی طرح سے ہلا جلا کر عمران نے اطمینان کر لیا کہ وہ بیہوش ہو چکا ہے تو اس نے ریوالور اور سائیلنسر اٹھا کر جیب میں ڈال لیا۔

فلیٹ میں ادھر ادھر دیکھ کر عمران نے ایک مضبوط ڈوری تلاش کر لی۔ ڈوری سے بیہوش آدمی کو مضبوطی سے باندھ کر الگ ڈال دیا۔

اب وہ فلیٹ کی طرف متوجہ ہوا۔

عام اور سیدھے سادھے طریقے سے سجایا ہوا ایک کمرہ تھا جو بیڈ روم اور ڈرائنگ روم دونوں کے کام میں لایا جاتا ہے۔

دوسرا کمرہ کچن اور اسٹور کے لئے مخصوص تھا۔

سرسری نگاہ میں کوئی بھی قابل اعتراض شے دکھائی نہیں دیتی تھی لیکن عمران کی باریک بین نگاہوں نے تاڑ لیا کہ سائیڈ میں بنی ہوئی ایک الماری میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کی تلاش میں وہ یہاں آیا تھا۔

یہ الماری دیوار میں بنی ہوئی تھی۔

عمران نے اس کا تالا کھولنے کی کوشش کی لیکن تالا بہت ہی پیچیدہ قسم کا تھا عمران نے بیہوش آدمی کی جامہ تلاشی کے بعد چابیوں کا گچھا نکال لیا۔

باری باری تمام چابیوں کو آزمانے کے بعد ایک چابی سے تالا میں کلک کی آواز پیدا ہوئی لیکن الماری کے پٹ ہنوز بند تھے۔

اب عمران دوبارہ چابیوں کو آزما رہا تھا۔

اس مرتبہ ایک نئی چابی نے تالے کے لیور کو گھمایا۔ اور الماری کے پٹ اپنی جگہ سے سرک گئے۔ پٹ کھول کر عمران نے الماری میں دیکھا۔

چند کتابوں کے علاوہ الماری میں کوئی خاص چیز نہیں تھی۔

عمران سوچ میں پڑ گیا۔ لیکن جلدی اس کی نگاہ الماری کے نچلے حصے میں لگے ہوئے ایک لٹو پر پڑی۔ ظاہر ہے یہ ایک غیر ضروری سی چیز تھی، اس لئے اس پر نگاہ پڑتے ہی عمران چونک پڑا۔

عمران نے ہاتھ بڑھا کر لٹو کو پکڑ لیا اور لگا زور آزمائی کرنے۔

چند لمحوں بعد لٹو اپنے محور پر گھوم گیا۔ ساتھ ہی ایک عجیب سی سرسراہٹ سنائی دی اور عمران کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

کتابوں والا ریک الماری میں سرسراتا ہوا گھوم رہا تھا۔

اب دونوں طرف خلا پیدا ہو گیا تھا۔ عمران نے ایک طرف دیکھا اس طرف ایک چھوٹا سا ٹی۔ وی سیٹ رکھا تھا۔ جس کے نیچے بے شمار سوئچ لگے ہوئے تھے۔

خلا کی دوسری جانب ایک ٹرانسمیٹر سیٹ رکھا ہوا تھا۔ جس کا مالک سامنے ہی دکھائی دیا۔ عمران نے ٹی وی سیٹ کے ایک سوئچ کو آن کر دیا۔

فوراً ہی ہلکی ہلکی سائیں سائیں ہونے لگی۔ جیسے ہوا زور سے چل پڑی ہو پھر سیٹ کی سکرین روشن ہو گئی۔

سکرین کے روشن ہوتے ہی عمران کو ایک دھندلا سا منظر دکھائی دیا۔

اس نے سیٹ کے بائیں ہاتھ ایک ناب کو گھمایا اور منظر صاف دکھائی دینے لگا۔

یہ اسی کیبن کا منظر تھا جو فلیپ اینڈ کمپنی کا ڈائریکٹر استعمال کرتا تھا۔ عمران کا خیال درست ہی ثابت ہوا۔

ڈمی کی آنکھوں کے سامنے کا منظر سکرین پر تھا۔ گویا ویژن آئیز کی پہنچ صرف سامنے کی طرف ہی تھی۔

عمران نے بیس منٹ کے وقفے میں سارا پروسیجر سمجھ لیا۔ وہ الماری کو اسی طرح چھوڑ کر واپس پلٹا تو اس کی نگاہ بندھے ہوئے آدمی پر پڑی۔

وہ اس وقت ہوش میں آ چکا تھا اور حیرت سے عمران کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جس نے قلیل عرصہ میں فلیٹ کو کونے کونے کے اسرار پر سے پردہ اٹھا دیا تھا۔

"کیوں دوست! کیسے ہو؟" عمران نے نرم لہجے میں دریافت کیا۔

وہ خاموش رہا۔

عین اسی وقت پاس کی تپائی پر رکھا ہوا ٹیلیفون چیخ اٹھا۔

عمران نے ٹیلیفون کی طرف دیکھا اور پھر بندھے ہوئے آدمی کی طرف۔ پھر وہ فون کے قریب پہنچا۔

گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔

عمران فون اٹھا کر اس کے قریب لے آیا اور بڑے ہی سرد لہجے میں اس آدمی کو حکم دیا فون اٹینڈ کرو۔ اگر تمہاری کسی بھی بات سے یہ محسوس ہوگیا کہ تم اس گڑبڑ کے بارے میں اشارہ کر رہے ہو تو یاد رکھنا کہ وہ پہلا یا اشارہ آخری ہوگا۔

تم کیا کرنا چاہتے ہو؟

پورٹر کا کھیل ابھی چند لمحوں میں ختم ہونے والا ہے اگر تم چاہو تو میں تمہیں بچا سکتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ قانون کے ساتھ تعاون کرو۔

کیا پورٹر گرفتار ہوگیا ہے؟

نہیں لیکن آج یہ کھیل انجام کو پہنچ جائیگا۔ یہ کہہ کر عمران نے پھرتی سے ریوالور نکال کر اس پہ سائیلنسر فٹ کیا اور ریسیور اٹھا کر اس آدمی کے کان سے لگا دیا۔

ہیلو۔ بلیک ون۔ ہیلو بلیک ون ہیئر۔ وہ بولا۔

عمران نے جلدی سے ایئر پیس کے ساتھ کان لگا دیا۔ دوسری طرف شاید پورٹر ہی تھا۔ اس کی سرسراتی ہوئی پراسرار آواز سنائی دی۔

"بلیک ون ۔۔۔ اتنی دیر ۔۔۔ ؟

"میں باتھ روم میں تھا جناب۔ معافی چاہتا ہوں۔"

ہوں۔ مال آ چکا ہے۔ تم استقبالیہ کو اطلاع دے دو۔

"یس سر!"

یہ ہوسکتا ہے میں رات میں کسی وقت دوبارہ قائم کروں۔ خیال رکھنا اور استقبالیہ سے بارہ بجے رات تک اور شام کے لئے کہہ دو۔"

"راوکے سر!"

سلسلہ منقطع ہوگیا اور عمران نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

"کہو تم نے کیا فیصلہ کیا۔؟ عمران نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ل۔ لیکن پورٹر مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ بلیک ون کی آواز میں حد درجہ گھبراہٹ تھی۔ شاید وہ تذبذب کا شکار ہوگیا تھا۔

"تمہاری مرضی ۔۔۔ ویسے یہ تمہارے لئے ایک سنہرا موقع تھا۔ عمران کے لاپرواہی سے شانے جھٹک کر کہا۔ پھر تو تم بیکار ہی ہو لاؤ تمہیں گولی مار دوں۔"

عمران نے گولی مارنے کے بارے میں اس طرح کہا جیسے بلیک ون کو مٹھائی دلانے کا وعدہ کر رہا ہو۔

"میں تمہاری مدد کروں گا۔ بلیک ون چیخ اٹھا اور عمران کی گرفت ٹریگر پر کم ہوتی چلی گئی۔ اس نے غور سے بلیک ون کی طرف دیکھا اس کا چہرہ پسینے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور نگاہوں میں خوف کی جھلک تھی۔

چند لمحے وہ اسے گھورتا رہا۔ پھر شاید اسے بلیک ون پر یقین آگیا تھا۔ عمران نے ڈوری کے بل کھول کر اسے آزاد کر دیا۔

سب سے پہلے تم استقبالیہ کو پورٹر کا پیغام پہنچاؤ۔ عمران نے ٹیلیفون کو اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا اور خود فیاض کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔

بلیک ون خاموشی سے کھڑا عمران کی طرف دیکھتا رہا۔

دوسری جانب فیاض نے ریسیور اٹھایا۔ ہیلو میں فیاض بول رہا ہوں۔"

"بولتے رہو پیارے۔ لیکن آج غیبی ہتھکڑیاں بھی مل سکیں گی تیار ہو جاؤ۔"

"کیا۔ کیا۔ عمران ڈیئر۔ میں کیا سن رہا ہوں۔"

"یہ میرے فیاض ہونے کا قصہ ہے سوپر ہنستے رہو ورنہ میں ہی آنکھیں مارنا شروع کر دوں گا۔ یہ کہہ کر عمران نے بائیں آنکھ ماری۔ لگی۔!

"کیا۔!" دوسری طرف سے فیاض نے حیرت سے پوچھا۔

"میں نے آنکھ ماری تھی۔"

"بہت سور ہو یار! بولو نا۔ کیا بات ہے۔ کیوں چہک رہے ہو آخر۔"

آدھ گھنٹہ بعد پام گروہ کو گھیرے میں لے کر اس کے خفیہ تہہ خانے پر قبضہ کر لو۔ وہاں تمہیں منشیات کا ڈھیر ملے گا۔ اور پیارے اس کے بعد چھوڑ دو پولیس کی نوکری آؤ چرس بیچنا شروع کر دیں۔ منافع ہی نافع ہے۔"

اور یہ تہہ خانہ کہاں ہے۔! فیاض کی آواز مارے جوش کے کپکپا گئی۔

عمران نے جواباً تہہ خانے کے راستے کا خفیہ نقشہ اسے سمجھانے کے بعد دوبارہ کہنا شروع کیا۔۔۔ ایک خوشخبری اور سن لو۔ مسٹر صدیقی کا قاتل بھی

آج ہی تمہارے حوالے کر دوں گا۔

اوہ۔! عمران۔ میری جان۔" فیاض جھوم کر بولا۔

"بس بس! اب زیادہ مکھن نہ لگاؤ میں سب جانتا ہوں۔ اور وہاں سے فارغ ہو کر فار ایسٹ کی بلڈنگ میں آ جاؤ۔

"وہاں کیا ہے۔؟"

"مشاعرہ! پیارے پروفیسر مجبور خان چونچ کی غزلیں سنو اور اپنا سینہ پیٹ کر لہولہان کر لو۔! بس اب وقت نہیں۔"

عمران نے یہ کہہ کر بلیک ون کو آنکھ ماری اور مسکرا دیا۔ بلیک ون نے احمقوں کی طرح اس مسخرے کو دیکھا جو پل پل میں اپنے کپڑوں کی طرح رنگ بدل رہا تھا اور پھر وہ الماری کی طرف بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ وہاں ڈمی کے ذریعے استقبالیہ پر موجود لڑکی سے گفتگو کر رہا تھا۔ اور عمران سکرین پر لڑکی کو دیکھ دیکھ کر آہیں بھرنے میں مصروف ہو گیا۔

—:—

ریوالور کی نال روشنی کی نازک کمر میں چبھی ہوئی تھی۔

اس نے پلٹ کر دیکھنا چاہا۔ لیکن ایک سرد اور تحکمانہ آواز نے اسے بے حس و حرکت کھڑے رہنے پر مجبور کر دیا۔

"چلو آگے بڑھ چلو۔۔" اس آواز کے ساتھ ہی نال کا دباؤ بھی بڑھ گیا۔

روشنی سیدھی آگے بڑھتی چلی گئی۔

عقبی آدمی نے ایک درمیانی دروازہ کھولا اور روشنی کو آگے دھکیل دیا۔

وہ کمرے میں داخل ہوئی تو چونک پڑی۔

صفدر سامنے ایک تختے پر بندھا ہوا تھا۔ اس کے جسم پر سوائے ایک انڈرویئر کے اور کچھ نہ تھا۔ روشنی نے دیکھا۔ ایک انگیٹھی میں کوئلے دہک رہے تھے اور سلاخیں جلتے ہوئے کوئلوں کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔

شاید ان تپتی ہوئی سلاخوں سے صفدر کے پاؤں کے تلوے داغے جا رہے تھے۔

روشنی نے دیکھا۔ تلوے بری طرح جھلس گئے تھے۔

ایک طرف عذرا کھڑی تھی، جو روشنی پر نگاہ پڑتے ہی بری طرح چونک اٹھی۔ پورٹر ہمیشہ کی طرح ڈھکا چھپا کھڑا تھا۔

اس نے عذرا کو چونکتے دیکھا تو اس کی نگاہیں روشنی پر جم گئیں۔ نہ جانے کیوں۔ روشنی کو ٹھنڈا پسینہ آنے لگا۔

صفدر پر بے ہوشی طاری تھی۔

یہ کون ہے۔؟ پورٹر کی سرسراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"یہ بھی محکمہ خارجہ میں کام کرتی ہے۔ اور میرے خیال ہے یہ ہمارا تعاقب کرتی ہوئی یہاں تک آئی ہے" عذرا نے ایک ہی سانس میں بتا دیا۔

"اوہ۔۔۔ کوئی اور تو نہیں۔؟" پورٹر نے تیزی سے پلٹ کر اس آدمی کی طرف دیکھا جو روشنی کو لایا تھا۔

"نہیں باس۔ ہمارے آدمی راستے کی کڑی نگرانی کر رہے ہیں۔"

"ہوں۔!" پورٹر کی آواز میں سوچ کی گہرائی تھی۔ عمارت کو خالی کر دو۔ میرا خیال ہے ہم یہاں محفوظ نہیں رہیں۔

تم یہاں کیوں آئی ہو۔؟ روشی سے سوال کیا گیا۔

"باہر ایک تختی لگی ہوئی ہے۔" روشی نے اپنے اعصاب پر قابو پاتے ہوئے نسبتاً پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"بہت خوب۔۔۔! تو تم اس عمارت کو کرائے پر حاصل کرنا چاہتی ہو۔" پورٹر کی آواز میں گہرا طنز تھا۔

"لگے ہاتھوں ایک فلیٹ کی سائیکل بھی کرائے پر دیدو۔" ایک آواز سنائی دی۔ اور کمرے میں موجود ہر آدمی چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔۔۔۔! جہاں حضرت عمران اپنی تمام تر حماقتوں سمیت کھڑے پلکیں جھپک رہے تھے۔

"اوہ تو یہ تم ہو۔۔۔۔!" پورٹر چند قدم آگے بڑھ گیا۔ لیکن جلد ہی رک گیا۔ عمران کے ہاتھ میں ریوالور چمک رہا تھا۔

"ہاں میرے پیارے گبی پورٹر یہ میں ہوں۔ کرا دوں تعارف؟" عمران نے روشی سے طلب اجازت لہجے میں پوچھا۔

روشی اس کے اس انداز پر مسکرا دی۔

"ریوالور پھینک کر ادھر دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔۔۔" پورٹر نے اپنا نام عمران کے منہ سے سنا، تو جیسے اس پر دیوانگی طاری ہو گئی۔

وہ ریوالور کی پرواہ کئے بغیر عمران کی طرف بڑھ گیا۔

عمران مضبوطی کے ساتھ اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔

دھائیں۔۔۔۔۔۔ عمران نے ایک فائر جھونک مارا۔۔۔۔۔

گولی پورٹر کی ٹانگوں میں لگی، اور ایسی آواز پیدا ہوئی جیسے گولی فولادی ستون سے ٹکرائی ہو۔

"مجھ پر توپ کا گولہ بھی اثر نہیں کر سکتا۔۔۔۔ ہا ہا ہا۔۔۔" پورٹر کے قہقہہ لگا کر پیش قدمی جاری رکھی۔

"کیوں۔۔۔۔؟ کیا تم توپ کے سالے لگتے ہو۔۔۔؟" عمران نے منہ پھاڑ کر اس کی طرف دیکھا اور پھر اس نے ریوالور روشی کی طرف اچھال دیا۔

روشی شاید عمران کا مقصد سمجھ گئی تھی۔ اس نے بڑی احتیاط سے ریوالور سنبھالا اور کمرے میں موجود دوسرے لوگوں کو مداخلت سے باز رکھنے کے لئے ریوالور کی زد میں لے لیا۔

پورٹر عمران کی طرف بڑھ رہا تھا۔

عمران اچانک جھکا اور پھر اس نے پوری قوت سے ایک گھونسہ پورٹر کے پیٹ میں مار دیا۔ ہلکی سی دھم کی آواز کے علاوہ کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔

"یار تم آدمی ہو یا کنستر۔۔۔۔۔!" عمران نے حیرت سے پورٹر کی طرف دیکھا، جس نے بڑے جارحانہ انداز میں حملہ کیا تھا۔

عمران جھکائی دے کر الگ ہٹ گیا۔

الگ ہٹتے ہی اس نے پورٹر کے بائیں جبڑے پر ایک ہاتھ رسید کر دیا۔ پورٹر کا فلیٹ ہیٹ ایک جھٹکے سے الگ گر گیا۔

عمران نے غور سے دیکھا۔۔۔۔ اس کی کھوپڑی شفاف اور چکنی تھی یہاں تک کہ اس کے ابروؤں اور پلکوں کے بال بھی غائب تھے۔

صرف گول گول خوفناک سانپ کی سی سکتہ طاری کرنیوالی آنکھیں تھیں نہ داڑھی نہ مونچھ۔۔۔۔!!

بس عمران کی طبیعت میں چہل آگئی۔ وہ دونوں پاؤں پر طاقتور اسپرنگ کی طرح اچھلا اور پورٹر کی چاند پر ایک جچا تلا ہاتھ رسید کرتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔

آواز تو چٹاخ کی آئی تھی۔ لیکن عمران کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ کھوپڑی پلاسٹک کی بنی ہوئی ہے۔ اس سے قبل کہ وہ مزید کوئی

قدم اٹھاتا۔ عمارت کی چاروں طرف وزنی بوٹوں کی ڈھیر۔۔۔ ڈھیر۔۔ سنائی دینے لگی۔

پورٹر نے ایک لمحے کے لئے ادھر ادھر دیکھا اور دروازے کی طرف چھلانگ لگادی۔ لیکن وہ دروازے سے نکل نہ سکا۔ دروازے میں دو ملٹری کے جوان ٹامی گنیں سنبھالے کھڑے تھے۔

"اگر یہ اب بھاگنے کی کوشش کرے تو صرف کھوپڑی کا نشانہ لیکر فائر کرنا ہے۔" عمران نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ اور خود صفدر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اتنی دیر میں فیاض بھی اپنے ماتحتوں سمیت آپہنچا۔ عمران کے اشارے پر اس نے پورٹر کے ہتھکڑیاں لگادیں۔ اور انسپکٹر کو اشارہ کیا کہ اسے باہر لے جائے۔

عمران صفدر کو آزاد کر رہا تھا۔

صفدر پر غشی طاری تھی۔۔۔۔ پھر وہ تلوے جلے ہونے کی وجہ سے اپنے پاؤں پر بھی کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔

عمران نے اسے کندھے پر اٹھالیا۔ اور روشنی کو اشارہ کر کے باہر نکلتا چلا گیا۔ اچانک انسپکٹر بوکھلایا ہوا اندر آیا۔

"وہ۔۔۔۔ وہ فرار ہو گیا جناب۔۔۔۔!" انسپکٹر کی آواز

میں بوکھلاہٹ اور خوف کا عنصر تھا..... فیاض زور سے دھاڑا اور باہر بھاگا۔

عمران بھی باہر نکل آیا۔

اس نے پولیس جیپ میں دیکھا..... دو سپاہی خوف زدہ نگاہوں سے ان دو بازوؤں کو دیکھ رہے تھے۔ جن میں ہتھکڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔

"اوہ.....! یہ تو پورٹر کے ہاتھ ہیں....." عمران نے صفدر کو جیپ میں ڈال دیا اور ان بانہوں کا معائنہ کرنے لگا۔ جو پورٹر ہتھکڑیاں سمیت چھوڑ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

انسپکٹر اور ملٹری آفیسر نے بتایا کہ جس وقت وہ فرار ہو رہا تھا، اس پر پیچھے کی طرف سے فائرنگ کی گئی تھی۔ لیکن نہ جانے کیا بات تھی۔ کہ کوئی گولی اس پر اثر انداز نہیں ہوتی"

"ہوں.....! کیا کوئی گولی اس کے سر یا گردن میں بھی لگی تھی.....؟"

"جی نہیں وہ رکوع کے سے انداز میں جھکا جھکا بھاگا تھا۔ اس طرح گردن اور سر ظاہر ہے، چھپ گیا تھا..... اور جناب اس کی رفتار اس قدر تیز تھی، کہ اگر ہم پیچھا بھی کرتے تو ناکام رہتے۔ پھر وہ بھاگا جھاڑیوں اور کھنڈروں اسے چھپنے کی طرف تھا۔ اس لئے ہم جیپ بھی استعمال

نہیں کر سکے....." "اچھا.....!" عمران نے ایک ٹھنڈی سانس اور اپنی فیاٹ کی طرف بڑھ گیا۔ صفدر کو ہسپتال میں پہنچا دیا گیا۔

فیاض نے پام گروو پر چھاپہ مار کر سینکڑوں پونڈ منشیات، سونا، اور دوسری کئی اشیاء برآمد کر لی تھیں۔ پھر فلپ اینڈ کمپنی کے آفس کو بھی قبضے میں لے لیا تھا۔

گیبی پورٹر کے بارے میں مزید تفصیلات جاننے کے لئے فیاض اگلے دن صبح اس کے فلیٹ میں آدھمکا۔ پھر عمران کو بتانا ہی پڑا۔

اس نے بتایا، کہ گیبی پورٹر ایک بین الاقوامی مجرم ہے۔ دوسری جنگِ عظیم میں وہ اتحادیوں کے خلاف نازیوں کی حمایت کرتا رہا۔ اس نے کئی خفیہ راز اڑائے۔ چونکہ وہ سائنسدان بھی تھا، اس لئے وہ ہر ملک میں جا کر اپنی سائنسی خدمات کے بل بوتے پر ایک مقام حاصل کر لیتا تھا۔ جنگ کے بعد وہ بالکل روپوش ہو گیا۔ اس کی تلاش میں دشمن ممالک نے کنوؤں میں بانس تک ڈلوا دیئے۔ آخر ایک دفعہ معلوم ہوا کہ وہ ایک اٹالین بندرگاہ سے روانہ ہونے والے بحری جہاز میں سوار ہے۔ اس جہاز میں اسے تلاش کرنے کی بہت کوشش کی گئی۔ لیکن وہ نہ مل سکا۔ مجبور ہو کر پورے جہاز کو گہرے پانی میں ڈبو دیا گیا۔

اس کے فوراً بعد کئی ملکوں میں تخریبی کارروائیاں ہوئیں جن کے بارے میں کہا گیا، کہ ان کے پیچھے بھی گیبی پورٹر کا ہاتھ رہا ہے اور کچھ عرصہ پہلے یہ ہمارے ملک میں آ پہنچا۔ یہاں اس نے اسمگلنگ شروع کی اور اس آڑ میں ہمارے محکمہ خارجہ کی چند فائلیں اڑانے کی کوشش کی۔ اس نے مسٹر صدیقی کو راہ پر لانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ رازداری برقرار رکھنے کی خاطر اس نے انہیں راہ سے ہٹا دیا۔ اس کے گروہ کو ایک عرصہ پیشتر یہاں ختم کر دیا گیا تھا۔ محکمہ خارجہ کی ایک لڑکی عذرا اس کی آلہ کار بن گئی۔ لیکن وہ بھی کوئی خاص کام نہ کر سکی۔ اور آج وہ ایک دفعہ پھر ہمارے ہاتھوں سے نکل بھاگا۔ اچھا ہوا اب بھاگو میں چلّہ کھینچنے لگا ہوں۔۔۔۔ سنا ہے الّاچرغہ کھایا جائے تو جانے والا واپس آجاتا ہے۔"

"ایک بار چلے جاؤ۔۔۔۔ پھر لوٹ کے مت آنا"

عمران نے تان اڑائی اور فیاض مسکراتا ہوا اٹھ گیا۔ اس وقت اس کے چہرے پر بڑی جاندار مسکراہٹ تھی۔ عمران نے اسے آنکھ مارنے کی کوشش میں دونوں آنکھیں دبا دیں، اور بوکھلا کر اسے دیکھنے لگا۔

فیاض مسکراتا ہوا بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ختم شد



عمران سیریز
گیبی لورڈ
مظہر کلیم